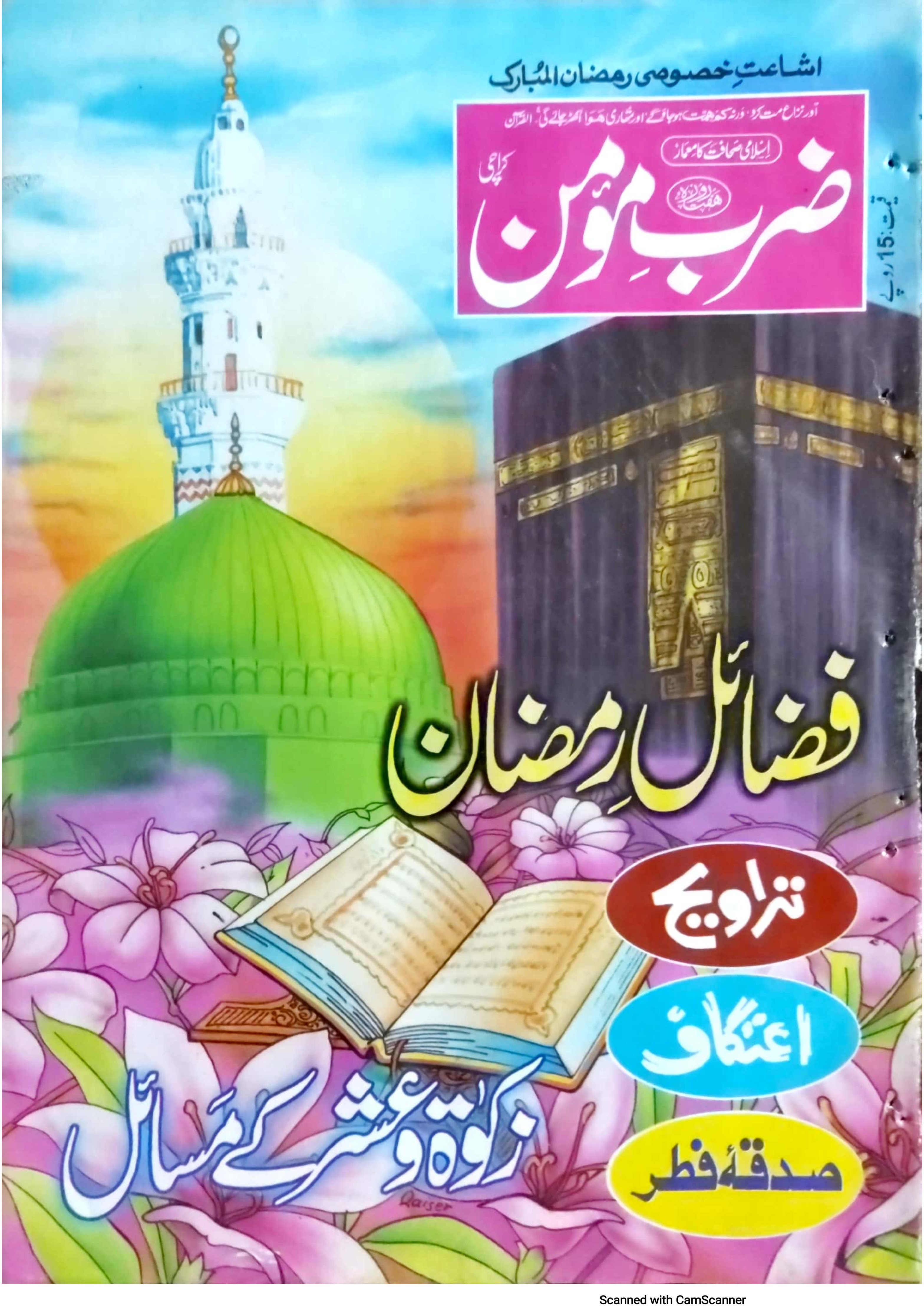


Scanned with CamScanner

ترتیب:
مفتی محمد
دارالافتاء والارشاد، ناظم آباد کراچی

فضائلِ رمضان



روزہ دار کے مُنہ کی بومشک سے زیادہ پسندیدہ ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ابن آدم کے ہر نیک عمل کا اجروثواب دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک بڑھا دیا جاتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''روزہ اس سے مستثنیٰ ہے، اس لئے کہ وہ خاص میرے لئے ہے اور میں خود (اپنے شایانِ شان) اس کا بدلہ دوں گا کہ روزہ دار میری ہی خاطر نفسانی خواہشات اور کھانے پینے کو قربان کرتا ہے۔ روزہ دار کیلئے دو فرحتیں ہیں: ایک فرحت افطار کے وقت ملتی ہے اور دوسری فرحت اپنے رب سے ملاقات کے وقت نصیب ہوگی اور روزہ دار کے مُنہ کی بدبو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے زیادہ پاکیزہ و پسندیدہ ہے۔'' (صحاح ستہ)

روزہ گناہوں کی معافی کا ذریعہ:

رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس شخص نے حالت ایمان میں ثواب کی نیت سے رمضان کا روزہ رکھا، اس کے پچھلے تمام گناہ معاف کردیئے جائیں گے۔'' (بخاری)

مسند احمد کی روایت میں یہ بھی ہے کہ اگلے گناہ بھی معاف کردیئے جائیں گے۔

رمضان میں شیاطین قید ہوجاتے ہیں:

ماہِ رمضان شروع ہوتے ہی جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، جہنم کے دروازے بند کردیئے جاتے ہیں اور شیاطین جکڑ دیے جاتے ہیں۔ (بخاری و مسلم)

روزہ دار کیلئے جنت کا مخصوص دروازہ:

جنت میں ایک دروازہ ہے جسے ''باب الرّیّان'' کہا جاتا ہے روزہ داروں کو اس کی طرف بلایا جائے گا (کہ اس دروازہ سے جنت میں داخل ہوں) چنانچہ تمام روزہ دار اس سے داخل ہوں گے اور جو اس سے داخل ہوگیا، وہ کبھی پیاسا نہ ہوگا۔ (بخاری و مسلم)

روزہ توڑنے پر وعید:

جو شخص (قصداً) بلا کسی شرعی عذر کے ایک دن بھی رمضان کا روزہ افطار کردے، غیر رمضان میں چاہے عُمر بھر روزے رکھے اس کا بدل نہیں ہوسکتے۔ (ترمذی، ابوداود، احمد، ابن ماجہ)

یہ فضائل کیسے حاصل ہوں گے؟

(۱) روزہ کے جتنے فضائل سطور بالا میں بیان کئے گئے ہیں، ان کے حصول کی لازمی شرط یہ ہے کہ روزہ ہر قسم کے منکرات و معاصی اور بدعات سے اجتناب کے ساتھ رکھا جائے۔ زبان، کان، ہاتھ، پاؤں، آنکھ، ناک اور قلب و دماغ اطاعت سے معمور اور معصیت سے مجتنب ہوں۔ کسب معاش، معاملات، معاشرت غرض حقوق اللہ و حقوق العباد کے ہر شعبے میں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی سے بچنے بچانے کی کوشش ہو۔

روزہ وہ عظیم الشان عبادت ہے کہ قرآن کریم نے اسے تقویٰ یعنی ترکِ معاصی کا نسخہ قرار دیا ہے، مگر کتنے مسلمان ہیں جو پچاس پچاس، ساٹھ ساٹھ سال سے رمضان کے روزے رکھ رہے ہیں، لیکن ان کی زندگی میں کوئی نمایاں تبدیلی نظر نہیں آتی۔ جو گناہ ان کی زندگی میں تھے، وہ سالوں روزے رکھنے کے باوجود جوں کے توں ہیں۔ اس کی وجہ سوائے اس کے کچھ نہیں کہ آج کل کے مسلمان روزے سے گناہ چھوڑنے کا قصد و نیت ہی نہیں کرتے اور گناہوں سے اجتناب کے اہتمام کے ساتھ روزہ رکھتے ہی نہیں، جو باطنی امراض سے حصولِ شفاء کیلئے شرط لازم ہے۔ ایسے لوگوں کا روزہ گو جمہور علماء کی رائے کے مطابق ذمہ سے سقوطِ فرض کا ذریعہ بن جائے گا مگر اس سے کوئی فضیلت اور ثواب حاصل نہیں ہوگا، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

☆ ''جو شخص روزہ رکھ کر بھی جھوٹے کردار و گفتار سے باز نہ آیا تو اللہ تعالیٰ کو اس کے بھوکا پیاسا رہنے سے کوئی غرض نہیں۔'' (بخاری)

☆ ''بہت سے روزہ دار ایسے ہیں جن کے روزہ کا ثمرہ بجز بھوکا رہنے کے اور کچھ نہیں اور بہت سے شب بیدار ایسے ہیں جن کیلئے شب بیداری کا بدلہ سوائے جاگنے کے اور کچھ نہیں۔'' (ابن ماجہ)

(۲) دورِ حاضر میں عموماً فضائل کے بیان پر خوب زور دیا جاتا ہے اور فضائل کے حصول کے موانع اور وعیدوں کا ذکر بہت کم ہوتا ہے، جس سے عوام کا نظریہ بن جاتا ہے کہ خوب گناہ کئے جاؤ، روزوں سے، لیلۃ القدر سے یا فلاں عملِ صالح سے سب اگلے پچھلے گناہ معاف ہوجائیں گے۔ اس بارے میں یہ حقیقت اچھی طرح ذہن نشین کرلینی چاہئے کہ جن روایات میں رمضان کے روزوں، شب قدر کی عبادت یا کسی بھی عملِ صالح سے گناہوں کی معافی کا ذکر ہے، علماء کے نزدیک اس سے مراد صغیرہ گناہوں کی معافی ہے۔ ٹی وی، وی سی آر، گانا بجانا، بلاضرورت تصویر بنانا یا گھر میں رکھنا، غیبت کرنا یا سننا، ڈاڑھی منڈانا یا کٹانا، عورتوں کا شرعی پردہ نہ کرنا، مردوں کا ٹخنے ڈھانکنا، بنک انشورنس یا کسی بھی حرام ذریعہ سے کمائی کرنا اور ایسے لوگوں کی دعوتیں اور ہدیے قبول کرنا، بدعات اور قبیح رسوم کی پابندی، ناجائز طریقے سے خرید و فروخت، حقوق العباد اور فرائض و واجبات اداء کرنے میں کوتاہی جیسے کبیرہ گناہوں سے جب تک صدقِ دل سے توبہ و استغفار اور آیندہ اجتناب کا عزم مصمم نہ کیا جائے، وہ محض کسی عمل صالح سے معاف نہیں ہوتے۔

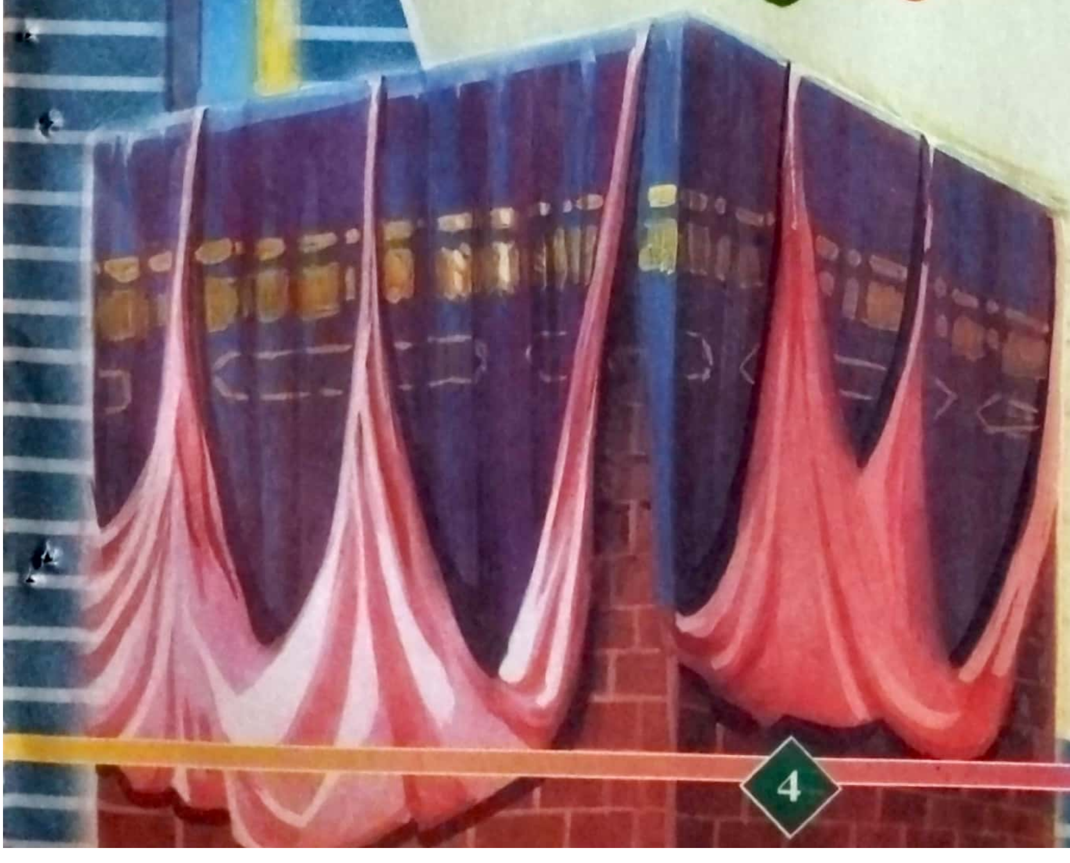
اس بناء پر ہر مسلمان پر لازم ہے کہ ماہِ مقدس کے آغاز ہی سے ہر قسم کے گناہوں سے کلیۃً احتراز کرے اور جن گناہوں کی عادت پختہ ہوگئی ہے، ان کو ہمیشہ کیلئے چھوڑنے کی نیت کے استحضار کے ساتھ روزے رکھے، اگر اس اہتمام کے ساتھ رمضان کے مبارک مہینے کا مختصر سا وقت گذارا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ نفس کی اصلاح نہ ہو اور دُنیا و آخرت کو تباہ کرنے والے مہلک امراض اور معاصی سے نجات نہ ملے۔ اللہ تعالیٰ کا بیان کردہ نسخہ کبھی غلط نہیں ہوسکتا۔

صدقات چھپ کے دینا زیادہ بهتر ہے

ترجمہ: صدقات کو اگر تم ظاہر کر کے دو تب بھی اچھی بات ہے اور اگر تم ان کو چھپکے سے فقیروں کو دیدو تو یہ تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے اور حق تعالیٰ شانہ تمہارے گناہ معاف کردیں گے اور اللہ جل شانہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے۔ (سورہ بقرہ: ۲۷۱)

روزہ

- حقیقت
- نفسِ فرضیت
- وجوبِ اداء و صحت ادا کی شرائط



حقیقت:

روزہ کی حقیقت مخصوص شرائط کی رعایت کے ساتھ صبح صادق سے غروب آفتاب تک کھانے پینے اور بیوی کے پاس جانے سے رکے رہنا ہے۔(ہدایہ:۱/۱۹۱)

نفس فرضیت:

روزہ ارکان اسلام میں سے ایک بنیادی رکن ہے، جس کی فرضیت قرآن وسنت، اجماع امت اور عقل ودرایت سے ثابت ہے اس کا منکر کافر ہے۔نفس فرضیت کی تین شرائط ہیں:

(۱)....مسلمان ہونا۔(۲)....عاقل ہونا۔ (۳)....بالغ ہونا۔(بدائع:۲/۵۵۳)

چنانچہ ہر عاقل بالغ مسلمان پر روزہ فرض ہے۔

وجوبِ اداء:

رمضان ہی میں ادائیگی کے فرض ہونے کے لئے تین شرطیں ہیں:

۱)...... تندرست ہونا۔۲)...... مقیم ہونا۔۳)......حیض ونفاس سے پاک ہونا۔(رد المحتار:۲/۳۷۲)

لہٰذا مریض اور مسافر چاہیں تو رمضان میں اداء کرنے کی بجائے بعد میں قضاء بھی رکھ سکتے ہیں۔

صحت اداء:

صحت روزہ کے لئے دو شرطیں ہیں:

۱)...... حیض ونفاس سے پاک ہونا۔یہ شرطِ صحت بھی ہے اور شرطِ وجوب بھی ہے۔(رد المحتار:۲/۳۷۱)

۲)......نیت کرنا۔

نیّت سے متعلق مسائل

نیت کا مطلب:

نیت بس اس حد تک کافی ہے کہ دل میں اسے معلوم ہو کہ فلاں روزہ مثلاً رمضان کا یا نذر کا رکھ رہا ہوں بلکہ روزہ کا تذکرہ کئے بغیر صرف سحری کھالے تو یہ بھی نیت کے قائم مقام ہے۔ (رد المحتار: ۲/ ۳۷۷)

البتہ اگر سحری کھاتے ہوئے نیت کرلی کہ صبح روزہ نہ رکھوں گا تو یہ کھانا روزہ کی نیت کے قائم مقام نہ ہوگا۔

(درمختار: ۲/ ۳۸۰)

نیت کا وقت:

نیت کا وقت غروب آفتاب کے بعد شروع ہوتا ہے اس سے پہلے کی نیت کا اعتبار نہیں اور رمضان، نذرِ معین یا نفل روزہ ہو تو نصف النہار تک یہ وقت رہتا ہے، جبکہ ہر قسم کے کفارات اور نذرِ مطلق میں ہر روزہ کے لئے غروبِ آفتاب سے صبح صادق تک وقت رہتا ہے۔ صبحِ صادق کے بعد نیت کا اعتبار نہیں۔

نصف النہار کا مطلب:

صبحِ صادق سے غروب آفتاب تک کل وقت کے نصف کو نصف النہار شرعی کہا جاتا ہے۔ مثلاً صبح صادق چھ بجے ہو اور غروب چھ بجے ہو تو نصف النہار بارہ بجے ہوگا اور اگر صبح صادق چھ بجے ہو اور غروبِ آفتاب سات بجے ہو تو نصف النہار ساڑھے بارہ بجے ہوگا۔ اس سے پہلے پہلے نیت کی جاسکتی ہے۔ اس وقت کی مقدار ہر موسم میں اور ہر مقام میں مختلف ہوتی ہے اس لئے اس کا ایسا کوئی متعین وقت نہیں بتایا جاسکتا جس وقت ہر جگہ نصف النہار ہو بلکہ ایک مقام میں بھی پورے رمضان کے لئے نصف النہار کا ایک وقت نہیں ہوگا، صبح صادق اور غروبِ آفتاب کا وقت بدلنے سے بدلتا رہے گا۔ اس لئے ضابطہ مذکورہ کے مطابق عمل کیا جائے۔ (ردالمحتار: ۲/ ۳۷۷)

☆ اگر کوئی شخص رمضان، نذر معین یا نفل روزہ رکھنا چاہتا ہے تو افضل یہ ہے کہ رات ہی سے ہر ایک کی تعیین کر کے نیت کرلے، لیکن اگر رات سے نیت نہ کی تو نصف النہار (دوپہر) سے پہلے پہلے بھی نیت کرسکتا ہے جبکہ ابھی تک کچھ کھایا پیا نہ ہو۔ (در مختار: ۲/ ۳۷۷)

☆ روزہ رکھنے والا خواہ مسافر ہو یا مقیم، تندرست ہو یا بیمار، لیکن دن میں نیت کرنے والا یہ نیت کرے کہ شروع دن (صبحِ صادق) سے میرا روزہ ہے۔ اس کی بجائے اگر یوں نیت کی کہ اس وقت سے میرا روزہ ہے تو روزہ نہ ہوگا۔

(ردالمحتار: ۲/ ۳۷۷)

☆ اگر کسی نے رمضان، نذر معین یا نفل روزہ میں تعیین کے بغیر مطلق روزہ کی نیت کرلی، یعنی صرف یہ نیت کی کہ آج میرا روزہ ہے یا نفل روزہ کی نیت کی تو بھی جائز ہے۔ یعنی رمضان ہونے کی صورت میں رمضان ہی کا روزہ شمار ہوگا اور نذر معین ہونے کی صورت میں نذر ہی کا روزہ شمار ہوگا۔ (در مختار: ۲/ ۳۷۷)

☆ اگر رمضان میں کسی پر بے ہوشی طاری ہوگئی یا جنون لاحق ہوا، پھر نصف النہار سے پہلے پہلے ہوش میں آکر روزہ کی نیت کرلی تو روزہ درست ہے۔ (حوالہ بالا)

یہ حکم ان تینوں قسم کے روزوں کی اداء کا تھا، ان کی قضاء اور روزہ کی بقیہ تمام اقسام (کفارات یعنی قسم کا کفارہ، روزہ کا کفارہ، ظہار کا کفارہ، قتل کا کفارہ اور نذر مطلق) میں ہر روزہ کی متعین طور پر نیت کرنا اور رات سے نیت کرنا ضروری ہے۔ اگر ان میں سے کسی روزہ کی نیت صبح صادق کے بعد کی یا مطلق روزہ کی نیت کی یا نفل روزہ کی نیت کی تو وہ نفل روزہ ہوگا جسے پورا کرنا مستحب ہے اور توڑنے پر قضاء نہیں۔ (عالمگیریہ: ۱/ ۱۹۵، طحطاوی علیٰ مراقی الفلاح: ۳۲۵)

نیت کی پھر ختم کردی:

اگر رات کو روزہ کی نیت کرلی، پھر نیت بدل گئی اور پختہ ارادہ کرلیا کہ روزہ نہیں رکھنا تو روزہ کی نیت باطل ہوگئی۔ اب تجدید نیت کے بغیر یونہی بھوکا پیاسا دن گزار دیا تو روزہ نہیں ہوا۔

روزہ رکھا، پھر توڑنے کی نیت کرلی:

روزہ رکھنے کے بعد دل میں توڑنے کی نیت کرلی تو روزہ نہ ٹوٹے گا جب تک کہ کوئی بات روزہ کو توڑنے والی صادر نہ ہو۔

رات کو نیت کر کے سوگیا:

اگر رات کو روزہ کی نیت کر کے سوگیا پھر صبح ہونے سے پہلے اٹھ کر کچھ کھا پی لیا تب بھی نیت میں کوئی خلل نہیں آئے گا اور روزہ صحیح ہوجائے گا۔ (خلاصۃ الفتاویٰ: ۱/ ۲۵۱، عالمگیریہ: ۱/ ۱۵۵)

رمضان کے ہر روزہ کی الگ نیت ضروری ہے:

ماہ رمضان میں ہر روزہ کی الگ الگ نیت کرنا ضروری ہے اگر شروع رمضان میں ہی نیت کرلی کہ پورے مہینے کے روزے رکھوں گا تو یہ نیت صرف پہلے روزے کی حد تک معتبر ہے۔



رمضان میں قرآن اتارا گیا

ترجمہ: ماہ رمضان ہے جس میں قرآن مجید بھیجا گیا ہے جس کا وصف یہ ہے کہ لوگوں کیلئے ہدیت ہے اور واضح الدلالۃ ہے، منجملہ ان کتب کے جو کہ ہدایت ہیں اور فیصلہ کرنے والی ہیں، سو جو شخص اس ماہ میں موجودہ ہو اس کو رور اس میں روزہ رکھنا چاہئے اور جو شخص بیمار ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے ایام کا شمار رکھنا ہے۔

(البقرہ: ۱۸۵)

سحر و افطار

سحری کھانا سنت ہے:

سحری کھانا سنت ہے۔ اگر بھوک نہ ہو اور کھانا نہ کھائے تو کم سے کم دو تین چھوارے ہی کھالے یا کوئی اور چیز تھوڑی بہت کھالے، کچھ نہ سہی تو تھوڑا سا پانی ہی پی لے۔ (رد المحتار: ۴۱۹/۲)

سحری میں آنکھ نہ کھلی:

اگر رات کو سحری کھانے کے لئے آنکھ نہ کھلی، سب کے سب سوگئے تو بغیر سحری کھائے صبح کو روزہ رکھنا ضروری ہے۔ سحری چھوٹ جانے سے روزہ چھوڑ دینا بڑی کم ہمتی کی بات اور بڑا گناہ ہے۔

مشتبہ وقت میں سحری کھانا:

اگر اتنی دیر ہوگئی کہ صبح ہو جانے کا شبہہ پڑ گیا تو اب کچھ کھانا مکروہ ہے اور اگر ایسے وقت کچھ کھا پی لیا تو برا کیا اور گناہ ہوا۔ پھر اگر معلوم ہو گیا کہ اس وقت صبح ہوگئی تھی تو اس روزہ کی قضاء رکھے اور اگر کچھ معلوم نہ ہو، شبہہ ہی شبہہ رہ جائے تو قضاء رکھنا واجب نہیں۔ (رد المحتار: ۴۱۹/۲)

روزہ کس چیز سے افطار کیا جائے:

چھوارے سے روزہ کھولنا بہتر ہے یا اور کوئی میٹھی چیز ہو اس سے کھولے۔ وہ بھی نہ ہو تو پانی سے افطار کرے۔ (زیلعی: ۴۴۳/۱)

بعض لوگ نمک کی کنکری سے افطار کرتے ہیں اور اس میں ثواب سمجھتے ہیں، یہ غلط عقیدہ ہے۔

افطار کرانے والے کو ثواب:

جس نے کسی روزہ دار کو افطار کرایا اسے بھی روزہ دار جتنا ہی اجر ملے گا، لیکن روزہ دار کے اجر میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔ (ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

ان چیزوں سے روزہ نہیں ٹوٹتا

(۱) بھول کر کھاپی لینا:

بھول کر کھانے پینے یا جماع کرنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، خواہ فرض و واجب روزہ ہو یا نفل، مگر کسی کو یاد دلایا گیا کہ تو روزہ دار ہے، پھر بھی اسے یاد نہ آیا اور کھاتا پیتا رہا تو روزہ ٹوٹ جائے گا اور اس صورت میں صرف قضاء ہے کفارہ نہیں۔

باقی رہا یہ مسئلہ کہ کسی کو کھاتے پیتے دیکھ کر روزہ یاد دلانا ضروری ہے یا نہیں؟ تو اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر وہ روزہ دار اس قدر کمزور اور لاغر ہے کہ یاد دلانے پر کھانا تو چھوڑ دے گا مگر کمزوری بڑھ جائے گی اور روزہ پورا کرنا بھی دشوار ہوگا تو یاد نہ دلانا بہتر ہے اور قوی ہو تو یاد دلانا واجب ہے۔ (فتح القدیر: ۲۵۴/۲، رد المحتار: ۴۹/۲)

(۲) خوشبو اور دھواں:

کسی قسم کی خوشبو خواہ وہ کتنی ہی تیز ہو سونگھنے سے روزہ نہیں جاتا، اسی طرح گرد و غبار مکھی یا کسی قسم کا دھواں بے اختیار حلق میں اتر جائے تب بھی روزہ نہیں ٹوٹتا گو کہ روزہ یاد ہو۔ ہاں! اگر اپنے قصد و اختیار سے دھواں پہنچایا تو روزہ ٹوٹ جائے گا، مثلاً از خود جلتی سگریٹ، لوبان، اگربتی وغیرہ کے قریب آ کر ان کا دھواں لیتا رہا تو روزہ ٹوٹ گیا۔
(رد المحتار: ۳۹۵/۲ و عامۃ الکتب)

(۳) سرمہ اور تیل وغیرہ:

روزہ میں سرمہ لگانا (یا آنکھ کی کوئی دوا ڈالنا) اور ڈاڑھی مونچھوں پر تیل لگانا بھی بلا کراہت جائز ہے، اگرچہ ان کا مزہ حلق میں محسوس ہو یا تھوک میں سرمہ کا رنگ بھی دکھائی دے، جبکہ یہ چیزیں ضرورت کے تحت استعمال کی جائیں اور مقصد زینت و زیبائش نہ ہو، ورنہ ان کا استعمال مکروہ ہوگا۔ اسی طرح پچھنے لگوانے میں بھی کراہت نہیں بشرطیکہ کمزوری لاحق ہونے کا اندیشہ نہ ہو۔ (رد المحتار مع الدر: ۳۹۵/۲)

(۴) مسواک:

مسواک جیسے بغیر روزہ کے ہر وضو میں سنت ہے یونہی روزہ میں بھی سنت ہے، خواہ صبح استعمال کی جائے یا شام کو اور خواہ تر ہو یا خشک اور مسواک کرتے ہوئے اس کا کوئی ریشہ بے اختیار حلق میں چلا جائے تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا۔
(کذا فی احسن الفتاویٰ: ۴۴۵/۴، رد المحتار: ۴۱۹/۲)

(۵) کلی وغیرہ:

اسی طرح وضو کی ضرورت کے بغیر ٹھنڈک حاصل کرنے کے لئے کلی کرنا، ناک میں پانی چڑھانا، غسل کرنا، گیلا کپڑا بدن پر لپیٹنا بلا کراہت جائز ہے، جبکہ مقصد صرف ٹھنڈک حاصل کرنا ہو۔ بے صبری اور پریشانی ظاہر کرنے کے لئے یہ کام کرنا مکروہ ہیں۔ (مراقی الفلاح مع الطحطاوی: ص ۳۷۲ و عامۃ الکتب)

(۶) ان تمام صورتوں میں روزہ نہیں ٹوٹے گا:

☆ کوئی دواء کوٹی اور اس کا مزہ حلق میں محسوس ہوا۔

☆ ہلیلہ یا اور کوئی چیز منہ میں چوستا رہا مگر اس کا کوئی جزء حلق میں نہیں اترا۔

☆ کان میں پانی پڑ گیا یا خود ڈالا یا تنکا لے کر کان کھجایا اور اسے میل لگ گئی اور اسی میل سمیت دوبارہ بار بار کان میں ڈالا۔

☆ دانتوں کے درمیان چنے سے کم مقدار کی کوئی چیز پھنسی رہ گئی، اسے نگل گیا۔

☆ دانتوں سے خون نکل کر حلق تک پہنچا اور پیٹ تک نہ پہنچا یا پیٹ میں پہنچ گیا مگر تھوک اس پر غالب تھا۔

☆ ناک کی رطوبت سڑک کر حلق میں لے گیا اور وہ پیٹ میں اتر گئی یا منہ کی رال اور بلغم اسی طرح نگل گیا، خواہ یہ چیزیں اندر ہی اندر نگل لیں یا ناک اور منہ سے باہر نکل کر بہنے لگیں لیکن دھار ٹوٹنے نہ پائی تھی کہ نگل لیں۔

☆ گفتگو کرتے ہوئے ہونٹ لعاب سے تر ہوگئے اور اسے زبان سے چاٹ کر نگل لیا۔

☆ تل یا اس جیسی خفیف سی چیز منہ میں ڈال کر چبائی اور وہ حلق میں اتر گئی مگر اس کا مزہ محسوس نہ ہوا۔

ان تمام صورتوں میں روزہ نہیں ٹوٹتا۔ (مراقی الفلاح مع الطحطاوی: ص ۳۶۲، رد المحتار: ۳۹۷/۲)

صبح صادق سے پہلے پان کھا کر منہ اچھی طرح صاف کر لیا مگر صبح ہونے کے بعد بھی پان کی سرخی تھوک میں دکھائی دیتی ہے تو تھوک نگلنے سے روزہ نہ ٹوٹے گا۔ (معالم التنزیل: ۱۳۹/۴)

(۷) انجکشن:

انجکشن لگوانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، اس لئے کہ انجکشن کے ذریعہ دوا جوف عروق میں پہنچائی جاتی ہے اور خون کے ساتھ شرائین یا وریدوں میں اس کا سریان ہوتا ہے۔ جوف دماغ یا جوف بطن میں دوا نہیں پہنچتی، اگر پہنچتی بھی ہے تو وریدوں اور مسامات کے ذریعہ پہنچتی ہے اور فساد صوم کے لئے مفطر کا جوف دماغ یا جوف بطن میں بذریعہ منفذ اصلی پہنچنا ضروری ہے، مطلقاً کسی عضو کے جوف میں یا عروق (شرائین اور وریدوں) کے جوف میں پہنچنا مفسد صوم نہیں، لہٰذا انجکشن کے ذریعے سے جو دوا بدن میں پہنچائی جاتی ہے مفسد صوم نہیں۔ (امداد الفتاویٰ: ۱۴۵/۲، امداد المفتین: ص ۴۸۹)

خوف اور پریشانی سے نجات

ترجمہ: جو لوگ اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں رات دن، پوشیدہ اور کھلم کھلا، ان کیلئے ان کے رب کے پاس اس کا ثواب ہے اور قیامت کے دن نہ ان کو کوئی خوف ہوگا نہ وہ مغموم ہوں گے۔ (سورۂ بقرہ: ۲۷۴)

مفسداتِ روزہ

خطاً کوئی چیز کھاپی لی یا زبردستی کھلادی گئی:

☆ روزہ یاد تھا مگر کلی کرتے ہوئے یا ناک میں پانی چڑھاتے ہوئے بے اختیار کچھ پانی حلق سے اتر جائے تو روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

☆ نیند میں کسی نے پانی منہ میں ڈال دیا اور پی گیا تو روزہ ٹوٹ گیا۔

☆ کھانے پینے یا جماع پر مجبور کیا گیا یعنی روزہ نہ توڑنے کی صورت میں جان سے مار دینے یا کسی عضو کے تلف کر دینے یا کسی بڑے صدمے سے دوچار کرنے کی دھمکی دی گئی اور اس نے یہ کام کرلئے تو روزہ جاتا رہا۔

☆ بھول کر کھاپی لیا یا جماع کرلیا یا احتلام ہوگیا یا نظر شہوت سے دیکھ کر انزال ہوگیا یا تھوڑی سی قے ہوئی تو روزہ نہیں ٹوٹا، لیکن اگر ان صورتوں میں اس نے یہ گمان کرکے کہ میرا روزہ ٹوٹ گیا قصداً کھاپی لیا یا جماع کرلیا تو روزہ ٹوٹ گیا۔

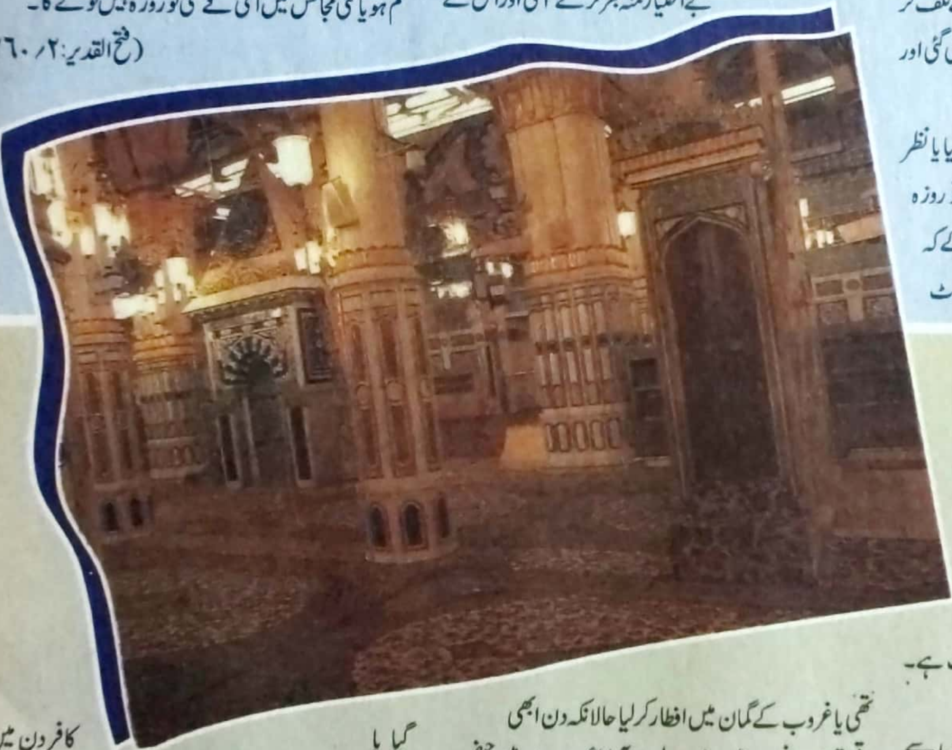
مندرجہ بالا تمام صورتوں میں صرف ایک روزہ قضاء رکھنا فرض ہے، کفارہ لازم نہیں۔ (ردالمحتار: ۲/ ۴۰۱)

قے کی صرف دو صورتیں مفسدِ صوم ہیں:

قے کی بہت ساری صورتیں ہیں، ان میں سے صرف دو صورتوں میں روزہ ٹوٹتا ہے: ایک یہ کہ قصداً منہ بھر کر قے کی، خواہ باہر پھینک دے یا منہ میں لوٹالے، دوسری صورت یہ ہے کہ بے اختیار منہ بھر کر قے آئی اور اس نے قصداً منہ میں لوٹالی اگرچہ چنے کے برابر ہی لوٹائی ہو، ان دونوں صورتوں میں روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور صرف قضاء واجب ہوجاتی ہے بشرطیکہ قے کرتے وقت روزہ یاد ہو اور قے میں بھی کھانا یا پانی یا صفراء یا خون آئے، بلغم نکلنے سے کسی صورت میں روزہ نہیں جاتا۔

ان دو صورتوں کے سوا قے کی جتنی صورتیں ہیں کسی میں روزہ نہیں ٹوٹتا، مثلاً قصداً قے کی اور منہ بھر کر نہ آئی یا بے اختیار آئی مگر منہ بھر سے کم تھی یا منہ بھر تھی مگر لوٹائی نہیں، خواہ وہ باہر نکل آئی یا بے اختیار لوٹ گئی یا لوٹائی مگر چنے کی مقدار سے بھی کم یا قصداً منہ بھر کر قے کی یا بلاقصد منہ بھر کر آئی اور لوٹالی لیکن روزہ دار ہونا یاد نہ تھا تو ان تمام صورتوں میں روزہ نہ ٹوٹا۔ (قاضی خان علی ہامش الہندیہ: ۱/ ۲۱۱، ردالمحتار: ۲/ ۴۱۴)

اگر ایک مجلس میں قصداً بار بار قے کی جس کا مجموعہ منہ بھر کی مقدار کو پہنچ گیا تو روزہ ٹوٹ گیا اور مجموعی مقدار اس سے کم ہو یا کئی مجالس میں اتنی قے کی تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ (فتح القدیر: ۲/ ۲۶۰)



بیماری بڑھ جانے یا جان جانے کا خوف:

اچانک ایسا بیمار پڑ گیا کہ اگر روزہ نہ توڑے گا تو جان پر بن آئے گی یا بیماری بہت بڑھ جائے گی تو روزہ توڑ دینا درست ہے۔ جیسے اچانک پیٹ میں ایسا درد اٹھا کہ بیتاب ہوگیا یا سانپ نے کاٹ کھایا تو دوا پی لینا اور روزہ توڑ دینا درست ہے۔ ایسے ہی اگر ایسی پیاس لگے کہ ہلاکت کا ڈر ہو تو بھی روزہ توڑ ڈالنا درست ہے۔ (درمختار: ۲/ ۴۲۱، ۴۲۲)

مسئلہ: حاملہ عورت کو کوئی ایسی بات پیش آگئی جس سے اپنی جان کا یا بچے کی جان کا ڈر ہے تو روزہ توڑ دینا درست ہے۔ (درمختار: ۲/ ۴۲۲)

مسئلہ: کوئی سخت کام کرنے کی وجہ سے بے حد پیاس لگ گئی اور اتنی بے تابی ہوگئی کہ اب جان کا خوف ہے تو روزہ توڑ ڈالنا درست ہے، لیکن خود اگر اس نے قصداً اتنا کام کیا جس سے یہ حالت ہوگئی تو گنہگار ہوگا۔ (درمختار: ۲/ ۴۲۰، ۴۲۱)

جن صورتوں میں روزہ ٹوٹنے کے باوجود غروب تک کچھ کھانا پینا درست نہیں:

کسی نے رات کے گمان میں سحری کھائی حالانکہ صبح ہو چکی تھی یا غروب کے گمان میں افطار کرلیا حالانکہ دن ابھی باقی تھا یا مسافر دن میں سفر سے لوٹ آیا یا عورت دن میں حیض و

جن وجوہ سے روزہ توڑ دینا جائز ہے

نفاس سے پاک ہوگئی یا مجنون کو دن میں افاقہ ہوگیا یا کسی کا روزہ ٹوٹ گیا، خواہ جبراً تڑوا دیا گیا یا غلطی سے پانی وغیرہ حلق میں اتر گیا یا کافر دن میں مسلمان ہوگیا یا نابالغ بالغ ہوگیا تو ان تمام صورتوں میں دن کا بقیہ حصہ بغیر کھائے پیئے روزہ داروں کی طرح گزارنا واجب ہے۔ اور آخر کے دو شخصوں (نو مسلم، نو بالغ) کے سوا بقیہ تمام لوگوں پر اس روزہ کی قضاء بھی واجب ہے اگر بچے نے بلوغ کے بعد نصف النہار سے پہلے روزہ کی نیت کرلی، جبکہ ابھی تک کچھ کھایا پیا نہ ہو تو اس کا نفل روزہ ہوجائے گا۔ عورت صبح صادق کے بعد پاک ہو کر روزہ کی نیت کرلے یا کافر مسلمان ہونے کے بعد نیت کرلے تو اس کا روزہ نہیں ہوگا، نہ فرض نہ نفل۔ (البحر الرائق: ۲/ ۲۸۸، ردالمحتار: ۴/ ۳۸۴ طبع دار المعرفۃ)

مکروہاتِ روزہ

(۱) بلا عذر کوئی چیز چکھنا یا چبانا:

بلا عذر زبان سے کوئی چیز چکھنا یا منہ میں رکھ کر چبانا روزہ دار کے لئے مکروہ ہے۔ اگر عذر سے چکھے مثلاً کسی عورت کا خاوند بدمزاج ہے اور عورت کو ڈر ہے کہ اگر سالن میں نمک کم وبیش ہوگیا تو خاوند بگڑ جائے گا تو زبان سے چکھنے میں کراہت نہیں۔

اسی طرح عورت کا چھوٹے بچے کو بلا عذر کوئی چیز چبا کر کھلانا بھی مکروہ ہے، لیکن عذر سے کھلائے کہ بچہ کے لئے دوسری نرم غذا موجود نہ ہو، نہ ہی بغیر روزہ کے کوئی دوسرا آدمی موجود ہو جو بچے کو غذا چبا کر دے تو ایسی صورت میں کراہت نہیں۔ اسی طرح روزہ دار اگر کھانے کی چیز خریدتے وقت زبان سے چکھ لے تو کراہت نہیں بشرطیکہ اس چیز کی طرف اسے سخت احتیاج ہو اور بغیر چکھے خریدنے میں نقصان کا اندیشہ ہو۔

ان تمام صورتوں میں کراہت کا حکم فرض و واجب روزہ سے متعلق تھا، نفلی روزہ ہو تو کراہت نہیں۔

(عالمگیریہ: ۱/ ۱۹۹، ردالمحتار: ۲/ ۴۱۶)

(۲) قصداً تھوک جمع کر کے نگلنا:

منہ میں قصداً تھوک جمع کر کے نگل جانا مکروہ ہے لیکن بلا قصد جمع ہو جائے تو نگلنا مکروہ نہیں۔

(مراقی الفلاح مع الطحطاوی: ص ۳۷۲)

(۳) منجن یا پیسٹ:

کوئلے، منجن اور ٹوتھ پیسٹ سے دانت صاف کرنا اور عورتوں کا مسی یا دنداسہ لگانا مکروہ ہے۔ اگر ان کا کوئی جزء حلق سے نیچے اتر گیا تو روزہ فاسد ہو جائے گا۔ (امداد الفتاویٰ: ۲/ ۱۴۱، احسن الفتاویٰ: ۴/ ۱۳۹)

(۴) بلا ضرورت دانت نکلوانا:

روزہ میں ڈاکٹر سے دانت یا ڈاڑھ نکلوانا اور اس جگہ دواء لگانا بوقتِ ضرورت شدیدہ جائز ہے اور بلا ضرورت مکروہ ہے۔ اگر دواء یا خون پیٹ کے اندر جائے اور تھوک پر غالب ہو جائے یا اس کے برابر ہو یا اس کا مزہ محسوس ہو تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔

(ردالمحتار: ۴/ ۳۹۶)

(۵) غیبت وغیرہ:

غیبت، چغلی، جھوٹ، بہتان تراشی، بیہودہ گوئی، گالی گلوچ، ایذا رسانی اور گناہ کے تمام کام یوں تو ہر وقت ہر حال میں حرام و ناجائز ہیں مگر روزہ دار آدمی کے لئے ان کی حرمت وشناعت دو چند ہو جاتی ہے اور ان کے سبب روزہ سخت مکروہ ہو جاتا ہے بلکہ حدیث کے مطابق ان گناہوں کی نحوست سے روزہ کا اجر و ثواب ہی غارت ہو جاتا ہے۔

جن وجوہ سے روزہ توڑ دینا جائز ہے

بیماری بڑھ جانے یا جان جانے کا خوف:

اچانک ایسا بیمار پڑ گیا کہ اگر روزہ نہ توڑے گا تو جان پر بن آئے گی یا بیماری بہت بڑھ جائے گی تو روزہ توڑ دینا درست ہے۔ جیسے اچانک پیٹ میں ایسا درد اٹھا کہ بیتاب ہوگیا یا سانپ نے کاٹ کھایا تو دوا پی لینا اور روزہ توڑ دینا درست ہے۔ ایسے ہی اگر ایسی پیاس لگے کہ ہلاکت کا ڈر ہو تو بھی روزہ توڑ ڈالنا درست ہے۔ (درمختار: ۲/ ۴۲۱، ۴۲۲)

مسئلہ: حاملہ عورت کو کوئی ایسی بات پیش آگئی جس سے اپنی جان کا یا بچے کی جان کا ڈر ہے تو روزہ توڑ دینا درست ہے۔ (درمختار: ۲/ ۴۲۲)

مسئلہ: کوئی سخت کام کرنے کی وجہ سے بے حد پیاس لگ گئی اور اتنی بے تابی ہوگئی کہ اب جان کا خوف ہے تو روزہ توڑ ڈالنا درست ہے، لیکن خود اگر اس نے قصداً اتنا کام کیا جس سے یہ حالت ہوگئی تو گنہگار ہوگا۔ (درمختار: ۲/ ۴۲۰، ۴۲۱)

جن صورتوں میں روزہ ٹوٹنے کے باوجود غروب تک کچھ کھانا پینا درست نہیں:

کسی نے رات کے گمان میں سحری کھائی حالانکہ صبح ہو چکی تھی یا غروب کے گمان میں افطار کر لیا حالانکہ دن ابھی باقی تھا یا مسافر دن میں سفر سے لوٹ آیا یا عورت دن میں حیض ونفاس سے پاک ہوگئی یا مجنون کو دن میں افاقہ ہوگیا یا کسی کا روزہ ٹوٹ گیا، خواہ جبراً تڑوا دیا گیا یا غلطی سے پانی وغیرہ حلق میں اتر گیا یا کافر دن میں مسلمان ہوگیا یا نابالغ بالغ ہوگیا تو ان تمام صورتوں میں دن کا بقیہ حصہ بغیر کھائے پیے روزہ داروں کی طرح گزارنا واجب ہے۔ اور آخر کے دو شخصوں (نومسلم، نوبالغ) کے سوا بقیہ تمام لوگوں پر اس روزہ کی قضاء بھی واجب ہے اگر بچے نے بلوغ کے بعد نصف النہار سے پہلے روزہ کی نیت کر لی، جبکہ ابھی تک کچھ کھایا پیا نہ ہو تو اس کا نفل روزہ ہو جائے گا۔ عورت صبح صادق کے بعد پاک ہو کر روزہ کی نیت کرلے یا کافر مسلمان ہونے کے بعد نیت کرلے تو اس کا روزہ نہیں ہوگا، نہ فرض نہ نفل۔

(البحر الرائق: ۲/ ۲۸۸، ردالمحتار: ۴/ ۳۸۴، طبع دار المعرفۃ)

اپنی پسندیدہ چیز
راہ خدا میں خرچ کرو

ترجمہ: اے مسلمانو! تم نیکی کو
حاصل نہ کرسکو گے، یہاں تک کہ اس
چیز کو خرچ نہ کرو جو تم کو محبوب ہو۔
(سورۂ آل عمران: ۹۲)

روزہ کے متفرق مسائل

روزہ پر قدرت ہو تو کھانا کھلانے سے کفارہ ادا نہ ہوگا:

سوال: مسئلہ یہ ہے کہ آج سے ۳ سال پہلے میں نے ایک گناہ کر کے رمضان کا روزہ توڑ دیا تھا، جس کا کفارہ ابھی تک ادا نہیں کیا۔ موت کا کوئی بھروسہ نہیں، اس لئے میں روزہ کا کفارہ دینا چاہتا ہوں، لیکن بات یہ ہے کہ میں شادی شدہ بھی ہوں اور بہت سخت مزدوری کرتا ہوں، جس کی وجہ سے ۲ ماہ کے روزے رکھنا بہت مشکل ہے۔ باقی رہا مسئلہ ۶۰ مسکینوں کو دو دو وقت کھانا کھلانے یا ایک مسکین کو دو ماہ دو وقت کا کھانا کھلانے کا تو اب میں مسکین کہاں سے ڈھونڈوں۔ مجھ کو تو اپنی مزدوری سے فرصت نہیں۔ مہربانی فرما کر مجھ کو کچھ اچھا سا مشورہ عنایت فرمائیں۔ اگر ایسا ہو جائے کہ آپ دو وقت کے کھانے کی کُل رقم جو ۶۰ مسکینوں کی بنتی ہے مجھے بتا دیں تو میں مدارس کے طالب علموں کو خود بانٹ دوں گا یا مجاہدین کے دفتر میں جمع کرا دوں گا۔ (ن۔ب۔ خوشاب)

جواب: ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانے سے آپ کا کفارہ ادا نہیں ہوگا، ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانے سے تو اس شخص کا کفارہ ادا ہوتا ہے، جو بہت بوڑھا ہو، روزہ رکھنے کی طاقت نہ رکھتا ہو اور موت سے پہلے اس کی طاقت واپس آنے کی امید بھی نہ ہو، یا ایسا بیمار ہو کہ نہ فی الحال روزہ رکھنے پر قادر ہو اور نہ آئندہ کیلئے اس کی صحت کی امید ہو۔ آپ تو ماشاء اللہ صحت مند ہیں، آپ کو قمری مہینے کی پہلی تاریخ سے شروع کرنے کی صورت میں دو ماہ اور پہلی تاریخ کے بعد شروع کریں تو ساٹھ دن روزے رکھنے ہوں گے اور ایک دن قضا روزہ بھی۔

چھوٹے اور ٹھنڈے دنوں میں رکھنے کی کوشش کریں، آخرت کا عذاب یاد کریں، روزہ رکھنا آسان ہو جائے گا۔ رات میں بیوی سے ہمبستری کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ (رد المحتار: ۲/۴۱۳) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

سفر کی وجہ سے رمضان اکتیس یا اٹھائیس دن کا ہو گیا:

سوال: مکہ مکرمہ میں پاکستان سے ایک یا دو روز قبل چاند دکھائی دیتا ہے۔ اگر کوئی شخص رمضان میں مکہ مکرمہ سے پاکستان آیا اور پاکستان میں انتیس کی شام کو چاند نظر نہ آیا تو یہ شخص کیا کرے گا؟ اگر روزہ رکھتا ہے تو اس کے اکتیس روزے ہو جائیں گے۔ اسی طرح کوئی پاکستان سے مکہ مکرمہ جائے تو اس کے اٹھائیس ہی روزے ہوں گے، اس کا کیا حکم ہے؟

(انور زیب۔ ایبٹ آباد)

جواب: اگر اہل پاکستان نے اس شخص کی رؤیت ہلال سے متعلق خبر کتب فقہ میں مذکورہ شرائط کے مطابق قبول کر لی تو اہل پاکستان اس کے قول کے مطابق عید منائیں گے اور ایک روزہ قضاء رکھیں گے اور اس آنے والے کے روزے پورے ہو جائیں گے اور اگر اس کی خبر قبول نہ کی گئی جیسا کہ عموماً ہوتا ہے تو یہ شخص اکتیسواں روزہ بھی رکھے گا اور دوسرے لوگوں کے ساتھ عید کرے گا۔ مکہ مکرمہ جانے کی صورت میں اہل مکہ کے ساتھ عید کرے اور ایک روزہ قضاء رکھے۔ (ہندیہ: ۱/۱۹۸) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

روزہ رکھ کر دوسرے ملک چلا گیا:

سوال: ایک شخص نے پاکستان میں روزہ رکھا، پھر دوسرے ملک چلا گیا تو اب وہ پاکستان کے وقت کے مطابق افطار کرے گا یا اس ملک کے وقت کے مطابق جہاں وہ گیا؟ (ضیاء الدین صدیقی۔ کوئٹہ)

جواب: جہاں گیا ہے اس ملک کے وقت کے مطابق افطار کرے گا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

نکسیر کا خون اندر جانا مفسد ہے:

سوال: نکسیر کا خون حلق سے پیٹ میں چلا گیا تو اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا یا نہیں؟

جواب: روزہ ٹوٹ جائے گا، صرف قضاء واجب ہے، کفارہ نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

روزہ میں سانپ نے کاٹ لیا:

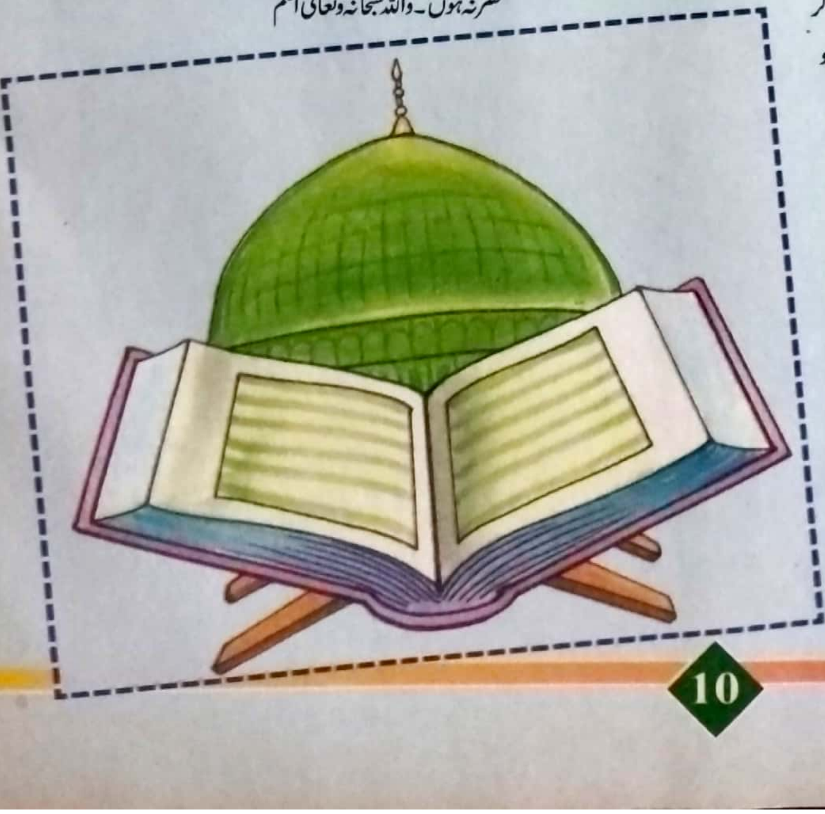
سوال: کیا سانپ کے کاٹنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے؟ (بشیر۔ کراچی)

جواب: سانپ، بچھو وغیرہ کے کاٹنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ (در مختار: ۲/۳۹۶) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

رمضان میں ایام روکنے والی دواء کا استعمال:

سوال: اگر کوئی عورت قضاء سے بچنے کی یہ تدبیر کرتی ہے کہ ایام (حیض) روکنے والی دوائیں استعمال کرتی ہے تو یہ عمل جائز ہے یا نہیں؟ اس سے روزہ پر تو کوئی اثر نہیں پڑے گا؟ (ایک خاتون۔ کراچی)

جواب: جب تک ایام نہ آئیں، روزہ پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، روزہ صحیح ہو جائے گا۔ البتہ ایسی دواؤں کا استعمال اس شرط سے جائز ہے کہ کسی ناپاک چیز سے بنی ہوئی نہ ہوں اور صحت کے لئے مضر نہ ہوں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم



پہلی کے چاند کا چھوٹا بڑا ہونا:

سوال: بسا اوقات رؤیت ہلال کمیٹی کے اعلان کے مطابق پہلی کا چاند نسبتاً بڑا نظر آتا ہے، جس سے لوگ شبہ میں پڑ جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ شاید یہ دو تاریخ کا چاند ہے، اس بارے میں شریعت کی تعلیم کیا ہے؟ (عبداللہ۔ کراچی)

جواب: چاند کے چھوٹا بڑا ہونے کا شریعت میں اعتبار نہیں بلکہ ہلال کمیٹی کے قواعد شرعیہ کے مطابق کیے ہوئے اعلان کا اعتبار ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حدیث میں آتا ہے ابوالبختری کہتے ہیں کہ ہم لوگ عمرے کے سفر پر نکلے، جب بطن نخلہ میں پہنچے تو ہم نے (رمضان کا) چاند دیکھا، بعض ساتھی کہنے لگے یہ دو راتوں کا چاند ہے، بعض نے کہا یہ تو تین راتوں کا ہے۔ جب ہم حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے جا کر ملے تو ان سے یہ قصہ عرض کیا۔ انہوں نے پوچھا: ''کس رات تم نے دیکھا تھا؟'' ہم نے کہا فلاں رات کو تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا۔ ''یہ اسی رات کا ہے، جس میں تم نے اس کو دیکھا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رمضان کا وقت ''چاند دیکھنا'' مقرر فرمایا ہے۔'' (رواہ مسلم، مشکوٰۃ مع المرقاۃ: ٤/٤٧٤)

اس حدیث کے ذیل میں ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بعض روایات میں آیا ہے کہ قیامت کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ پہلی کے چاند موٹے اور بڑے دکھائی دیں گے۔ (مرقاۃ: ٤/٤٧٤)

اسی وجہ سے فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے پہلی کے چاند کا حجم بڑا دیکھ کر اس طرح کے شبہات کا تذکرہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (ردالمحتار: ٣/٣٥٤) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

شادی کے بعد پہلا رمضان میکے میں گزارنا:

سوال: جب کسی شخص کی شادی ہوتی ہے، شادی کے بعد آنے والا پہلا رمضان لڑکی اپنے والدین کے گھر گزارتی ہے اور اس کو لڑکی کے حقوق میں سمجھا جاتا ہے، اس عمل پر نہ شوہر راضی ہوتا ہے، نہ بیوی، بلکہ محض برادری کے طعن و تشنیع سے بچنے کیلئے مجبوراً اس پر عمل پیرا ہونا پڑتا ہے؟

جواب: شریعت میں اس کا کوئی ثبوت نہیں، محض بے اصل رسم ہے۔ شریعت کی طرف سے آزادی ہے، لڑکی شوہر کی مرضی سے چاہے میکے میں رمضان گذارے یا شوہر کے گھر گذارے، شریعت کی دی ہوئی اس آزادی کو اپنی طرف سے ختم کرنا اور لڑکی اور اس کے شوہر کو نہ چاہتے ہوئے بھی اس رسم پر مجبور کرنا گناہ کی بات ہے، ایسا ہرگز نہیں ہونا چاہئے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

اذان کے اختتام تک کھاتے رہنا:

سوال: ایک آدمی دیر سے اُٹھا، جب سحری کا وقت ٥ یا ١٠ منٹ رہ گیا تو اس نے کھانا شروع کیا اور وہ اذان کے مکمل ہونے تک سحری کھاتا رہا تو کیا اُس کا روزہ ہوگیا یا نہیں؟ نیز سحری کا وقت صحیح کہاں سے کہاں تک ہوتا ہے؟ وضاحت فرمائیں۔ (ثقلین عباس۔ پیرکوٹ، جھنگ)

جواب: اصل طریقہ یہ ہے کہ اپنی گھڑیاں معیاری وقت پر رکھی جائیں اور کسی مستند اور ماہر کے بنائے ہوئے اوقات کے نقشے میں دیئے گئے وقت سے پانچ منٹ پہلے سحری بند کردی جائے۔ مساجد، ٹی وی، ریڈیو وغیرہ کی اذانوں پر انحصار



نہ کیا جائے، کیونکہ بسا اوقات وقت سے پہلے یا بعد میں بھی اذانیں دی گئی ہیں۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر نقشے کے وقت سے پہلے سحری بند کرلی تھی تو روزہ ہوگیا، لیکن اگر یقیناً معلوم نہ ہوسکے تو احتیاطاً قضاء کرلیں۔ (ہندیہ: ١/١٩٥)

سحری صبح صادق کے قریب رات کے آخری حصے میں کھانا مستحب ہے۔ (مراقی الفلاح) اگر بہت سویرے کھائی جائے تو بھی کوئی حرج نہیں۔ (در مختار: ٢/٤١٩) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

سحری میں جگانے کے لئے لاؤڈ اسپیکر کا استعمال:

سوال: شہر میں حکومت کی طرف سے بجائے جانے والے سائرن کی آواز اتنی ہوتی ہے کہ تقریباً ہر گھر میں باآسانی پہنچ جاتی ہے، مگر سائرن بجتے ہی مسجدوں میں شور برپا ہو جاتا ہے اور کئی لوگ سحری سے قبل ٣ بجے ہی لوگوں کو اٹھانا شروع کر دیتے ہیں اور تقریباً ٢ گھنٹے تک یہی آواز آتی رہتی ہے کہ اُٹھو اُٹھو، جلدی کرو، کیا شرعاً ایسا کرنا جائز ہے؟

(ابن عبدالغفار۔ چینوٹ)

جواب: مروجہ طریقہ جس میں تسلسل کے ساتھ یا کچھ وقفہ سے بار بار یہ اعلان کیا جاتا ہے، کئی قباحتوں پر مشتمل ہے:

(١) یہ طریقہ متوارث و منقول نہیں۔
(٢) لوگوں کی عبادت میں خلل کا ذریعہ ہے۔
(٣) اس سے مریض و ضعیف افراد کو ایذا پہنچتی ہے۔
(٤) مسجد کے لاؤڈ اسپیکر اور بجلی کا بے جا استعمال لازم آتا ہے۔

لہٰذا مذکورہ طریقہ کسی طرح بھی درست نہیں، اس سے احتراز لازم ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

جو خرچ کرنا ہے قیامت سے پہلے کرلو

ترجمہ: جو میرے خاص ایمان والے بندے ہیں ان سے کہہ دیجئے کہ وہ نماز قائم رکھیں اور ہمارے دیئے ہوئے رزق سے خرچ کرتے رہیں، پوشیدہ طور سے بھی اور اعلانیہ بھی، ایسے دن کے آنے سے پہلے جس میں نہ خرید و فروخت ہوگی نہ دوستی ہوگی۔ (سورۂ ابراہیم: ٣١)

روزہ کے بارے میں چند کوتاہیاں

دوسری عبادات کی طرح روزہ کے معاملہ میں بھی مسلمانوں میں بہت سی کوتاہیاں پائی جاتی ہیں جن کی اصلاح ضروری ہے۔ یہاں روزہ کے مکروہات یا مفسدات کی تفصیل پیش کرنا مدنظر نہیں، بلکہ بعض ایسی کوتاہیوں کی نشان دہی مقصود ہے، جن کی طرف عام روزہ داروں کی توجہ کم جاتی ہے۔

(۱) بلا عذر روزہ نہ رکھنا:

معذور ومجبور آدمی کے لئے روزہ نہ رکھنا اور رکھنے کے بعد بعض حالات میں توڑنا جائز ہے، مگر شرعاً کون لوگ معذور کی فہرست میں آتے ہیں؟ اس کا فیصلہ کرنا ہر شخص کا کام نہیں۔ بعض جی چور اور کاہل لوگ روزہ کبھی رکھتے ہی نہیں اور از خود فیصلہ کرلیتے ہیں کہ ہم سے روزہ نہ رکھا جائے گا، حالانکہ رکھ کر دیکھ لیں تو آسانی سے رکھ سکیں، بے ہمتی اور کم حوصلگی کا نام مجبوری رکھ لیا۔ بعض لوگوں کو عذر ہوتا ہے مگر وہ اختیاری اور خود ساختہ قسم کا ہوتا ہے، مثلاً شرعی سفر کے دوران روزہ نہ رکھنے کی رخصت ہے مگر اسے سفر کی ضرورت درپیش نہیں، یونہی گھر سے نکل پڑا۔ غرض کسی مفتی سے پوچھے بغیر عذر کا فیصلہ جائز نہیں۔ (درمختار: ۲/ ۴۲۲)

(۲) غیر معذور کا فدیہ دینا:

بعض بے باک قسم کے لوگ اس گھمنڈ میں روزہ ضائع کرتے رہتے ہیں کہ ہم فدیہ دے دیں گے۔ حالانکہ زندگی میں فدیہ ادا کرنا صرف ایسے شخص کے لئے جائز ہے جو روزہ رکھنے سے بالکل معذور اور آئندہ کے لئے بھی مایوس ہو۔ اگر مرنے سے پہلے کسی وقت بھی روزہ رکھنے کی قوت آگئی تو یہ فدیہ معتبر نہ رہے گا۔ (ردالمحتار: ۲/ ۴۱۲، ۳/ ۴۷۸، ۴۷۹)

(۳) قریب البلوغ صحت مند بچوں کو روزہ سے روکنا:

بعض دیندار لوگ بھی بچوں سے روزہ نہیں رکھواتے، حالانکہ ان بچوں کی عمر اور قوت وصحت ایسی ہوتی ہے کہ وہ بآسانی روزہ رکھ سکتے ہیں، بلوغ سے پہلے اگرچہ بچوں پر روزہ واجب نہیں، مگر ان کے سرپرستوں پر لازم ہے کہ جب قریب البلوغ ہوں اور روزہ کا تحمل کرسکیں تو ان سے روزہ رکھوائیں۔ بچہ جب عبادت کا خوگر ہوگا تو بلوغ کے بعد اعمال کی پابندی میں اسے کوئی دشواری نہ ہوگی۔ (ردالمحتار: ۲/ ۴۰۹)

(۴) معذور کا رخصت پر عمل نہ کرنا:

بعض لوگ افراط اور غلو کا شکار ہوکر شریعت کی دی ہوئی رخصت سے بھی فائدہ نہیں اٹھاتے۔ مثلاً پر مشقت سفر یا تکلیف دہ بیماری میں بھی روزہ نہیں چھوڑتے۔ بعض حاملہ یا دودھ پلانے والی عورتیں اپنی جان اور بچے کو ضرر پہنچا کر بھی روزہ رکھتی ہیں اور بعض غلط اندیش کمسن معصوم بچوں سے بھی روزہ رکھواتے ہیں حالانکہ انہیں روزہ کا تحمل نہیں ہوتا۔ یہ سب باتیں علماء وصلحاء کی صحبت سے دور رہنے اور مقصد شریعت نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے۔ (ردالمحتار: ۲/ ۴۰۹، ۴۲۲)

(۵) سحری میں عجلت یا تاخیر:

سحری بعض لوگ بہت جلد آدھی رات کو کھا کر فارغ ہوجاتے ہیں۔ ایسی تعجیل بھی گو جائز ہے، مگر سحری کی اصل حکمت (کہ روزہ میں ضعف لاحق نہ ہو اور قوت برقرار رہے) کے خلاف ہے اور بعض جگہ عوام یہ غلط اعتقاد بھی رکھتے ہیں کہ جب ایک بار سحری کھا کر نیت کرلی یا سوگئے تو اب کوئی چیز کھانا پینا جائز نہیں، اگرچہ رات باقی ہو۔ اس غلط اعتقاد سے توبہ کرنا واجب ہے۔ بعض اس کے برعکس سحری اتنی تاخیر سے کرتے ہیں کہ روزہ ہی مشتبہ ہوجاتا ہے، ان کی نظر نقشوں اور گھڑیوں پر لگی رہتی ہے حالانکہ دونوں میں غلطی کا امکان ہے۔ پس احتیاط اسی میں ہے کہ نقشوں اور گھڑیوں کے وقت سے بھی کچھ دیر پہلے آدمی فارغ ہوجائے۔

کچھ حضرات یہ سوچ کر کہ لوگ سحری چھوڑ دیں فجر کی اذان وقت سے کچھ پہلے دیتے ہیں، اس میں بھی بہت سی قباحتیں ہیں اس لئے اذان اپنے وقت پر ضروری ہے۔ (درمختار: ۲/ ۴۲۰)

(۶) افطار میں عجلت یا تاخیر:

افطار میں بعض لوگ بہت عجلت سے کام لیتے ہیں جس سے روزہ مشتبہ ہوجاتا ہے۔ نقشوں میں تو اختلاف بھی پایا جاتا ہے۔ پھر سحر وافطار کے نقشوں میں دیئے گئے اوقات یقینی نہیں ہوتے بلکہ حسابی اعتبار سے تقریبی ہوتے ہیں۔ بعض ناسمجھ ریڈیو کی اذان (خواہ وہ کسی دوسرے شہر کی ہی ہو) سن کر افطار کردیتے ہیں۔ پھر ریڈیو کی اذان اور سائرن وغیرہ عموماً نقشوں کے مطابق بجائے جاتے ہیں، لہٰذا ان پر مکمل اعتماد کرنا صحیح نہیں، خصوصاً جبکہ کئی ایسے واقعات ہو بھی چکے ہیں کہ سائرن یا اذان کے وقت آفتاب کو آنکھوں سے دیکھا گیا ہے، ۱۳ رمضان ۱۳۹۷ھ کو ریڈیو پاکستان نے چار پانچ منٹ قبل ہی اذان دینا شروع کردی، جو ابھی مکمل نہ ہونے پائی تھی کہ اس کے بعد صحیح وقت پر اذان نشر کی، لاکھوں افراد نے پہلی اذان پر روزہ افطار کرکے اپنا روزہ خراب کیا۔ اس لئے اپنی گھڑیوں کو معیاری وقت پر رکھیں اور افطار کسی ماہر کے بنائے ہوئے نقشے میں دیئے گئے وقت کے ۳ منٹ بعد کریں، جہاں اتنے گھنٹے صبر کرلیا وہاں دو تین منٹ کا انتظار کیا مشکل ہے؟

بعض وہمی لوگ وقت ہوجانے کے باوجود افطار میں تاخیر کرتے ہیں، ایسی تاخیر حدیث کی رو سے ممنوع ہے۔

افطار میں مشغول ہو کر ترکِ جماعت یا تاخیر:

کئی لوگ افطار کے بعد کھانے پینے میں اتنی دیر تک مشغول رہتے ہیں کہ مغرب کی جماعت بالکل فوت ہوجاتی ہے یا ایک دو رکعت نکل جاتی ہیں۔ مسجد کی جماعت نکل جانے پر کچھ حضرات گھر میں اپنی جماعت کرلیتے ہیں، جو اکیلے نماز پڑھنے سے تو بہتر ہے مگر مسجد کی جماعت کا کسی طرح بدل نہیں۔

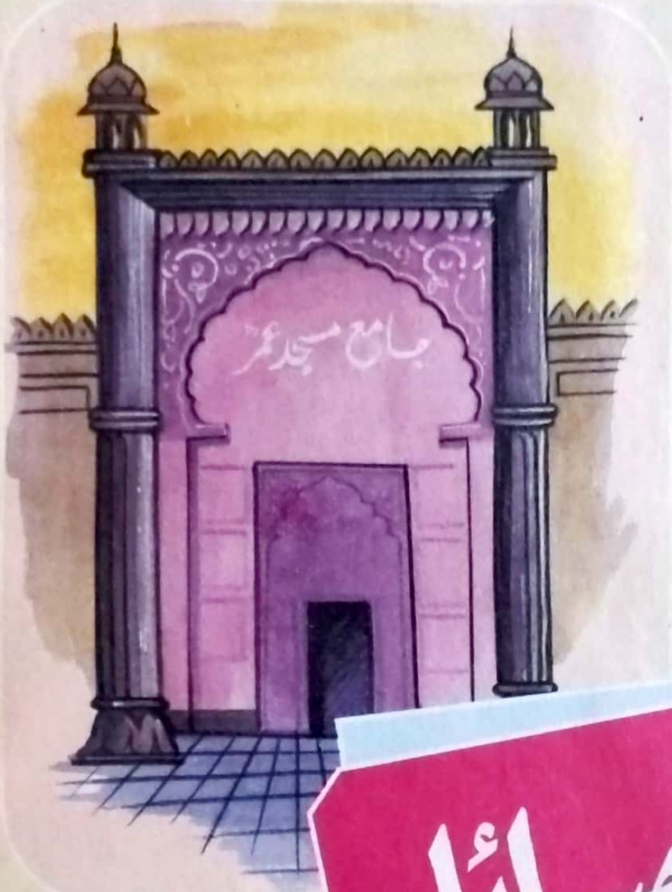
اس مسئلہ کا آسان حل یہ ہے کہ افطاری گھر کی بجائے مسجد میں کی جائے لیکن اس میں مسجد کے آداب کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے۔ کھانے کی کوئی چیز مسجد میں گرنے نہ پائے، اس میں شور وغل بلکہ بلا ضرورت گفتگو بھی نہ ہو اور کوئی ایسا کام بھی نہ کیا جائے جس سے مسجد میں آنے والے نمازیوں کو تشویش ہو۔

اگر گھر مسجد کے قریب ہو تو گھر میں بھی مختصر افطاری کے بعد تکبیر تحریمہ کے ساتھ نماز پڑھنے کا اہتمام کیا جاسکتا ہے۔ (حوالۂ بالا)

غریبوں کے حقوق

ترجمہ: اور ان کے مالوں میں سوال کرنے والے کا اور نادار کا حق ہے۔ (سورۂ ذاریات: ۱۹)

فدیہ کے مسائل



روزہ پر نہ قدرت نہ آئندہ امید ہو:

جس کو اتنا بڑھاپا ہوگیا ہو کہ روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رہی یا اتنا بیمار ہے کہ اب نہ اچھے ہونے کی امید ہے نہ روزہ رکھنے کی طاقت ہے تو وہ روزہ نہ رکھے اور ہر روزہ کے بدلے ایک مسکین کو صدقہ فطر کے برابر غلہ دے دے یا صبح وشام پیٹ بھر کے اس کو کھلا دے۔ اس کو فدیہ کہتے ہیں۔ اگر غلہ کے بدلے میں اسی قدر غلہ کی قیمت دے دے تب بھی درست ہے۔

پھر اگر کبھی طاقت آ گئی یا بیماری سے اچھا ہوگیا تو سب روزے قضا رکھنے پڑیں گے اور جو فدیہ دیا ہے اس کا ثواب الگ ملے گا۔ (ردالمحتار:٣/٤٧٨، ہندیہ:١/٣٠٧)

میت نے فدیہ کی وصیت کی ہو:

کسی کے ذمہ کئی روزے قضاء تھے اور مرتے وقت وصیت کر گیا کہ میرے روزوں کے بدلے فدیہ دے دینا تو اس کے مال سے اس کا ولی فدیہ دے دے اور کفن، دفن، قرض اداء کرکے جتنا مال بچے اس کی ایک تہائی سے اگر سارا فدیہ اداء کرنا ممکن ہو تو دینا واجب ہوگا اور اگر سارا فدیہ تہائی مال سے اداء نہ ہو سکتا ہو تو جس قدر اداء ہوسکتا ہو دے دیا جائے۔ (ردالمحتار:٢/٧٢)

فدیہ کی وصیت نہ کی ہو:

اگر اس نے وصیت نہیں کی مگر ولی نے اپنے مال سے فدیہ دے دیا تب بھی اللہ تعالیٰ سے امید رکھے کہ شاید قبول کرے اور ان روزوں کا مواخذہ نہ کرے۔

بغیر وصیت کئے خود میت کے مال میں سے فدیہ دینا جائز نہیں، اسی طرح اگر تہائی مال سے زیادہ ہو جائے تو باوجود وصیت کے بھی زیادہ دینا سب وارثوں کی رضامندی کے بغیر جائز نہیں۔ ہاں! سب وارث نہایت خوش دلی سے راضی ہو جائیں تو دونوں صورتوں میں فدیہ دینا درست ہے، لیکن نابالغ وارث کی رضا کا شرع میں کچھ اعتبار نہیں، بالغ وارث اپنا حصہ اس میں سے جدا کر کے دے دیں تو درست ہے۔ (ردالمحتار:٢/٧٢، ہندیہ:١/٣٠٧)

فدیہ کی مقدار:

اگر کوئی بیماری کی وجہ سے روزہ نہیں رکھ سکا تو صحت کے بعد روزہ قضاء رکھنا فرض ہے، البتہ اگر صحت کی کوئی امید نہیں رہی اور آخر دم تک روزہ رکھنے کی طاقت لوٹنے سے بالکل مایوسی ہے، چھوٹے اور ٹھنڈے ایام میں بھی روزہ رکھنے کی طاقت نہیں تو ایک روزہ کے عوض نصف صاع گندم یا اس کی قیمت کسی مسکین کو دیدے۔ (خلاصۃ الفتاوی:٢/٢٦١)

نصف صاع کی مقدار:

نصف صاع بعض علماء کے قول کے مطابق پونے دو کلو کا ہوتا ہے، جبکہ بعض علماء کی تحقیق کے مطابق سوا دو کلو کا ہوتا ہے۔ احتیاط اسی میں ہے کہ سوا دو کلو گندم یا اس کی قیمت اداء کی جائے، کیونکہ اس میں فدیہ کی ادائیگی یقینی ہے۔ عبادات میں احتیاط ہی پر عمل کرنا چاہئے۔ (احسن الفتاوی:٤/٤٣٢، ٤٣٤) واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

فدیہ و کفارہ کافر کو دینا جائز نہیں:

فدیہ اور کفارہ کا کھانا کافر حربی (جو کسی غیر مسلم ملک میں رہتا ہو) کو دینا بالاتفاق جائز نہیں اور ذمی (جو کسی مسلم ملک میں رہتا ہو) کو دینے میں اختلاف ہے، عدم جواز راجح ہے۔ البتہ اگر کسی نے دے دیا تو کفارہ اداء ہو جائیگا۔ (ردالمحتار:٢/٣٥٢، ٣/٤٧٩) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

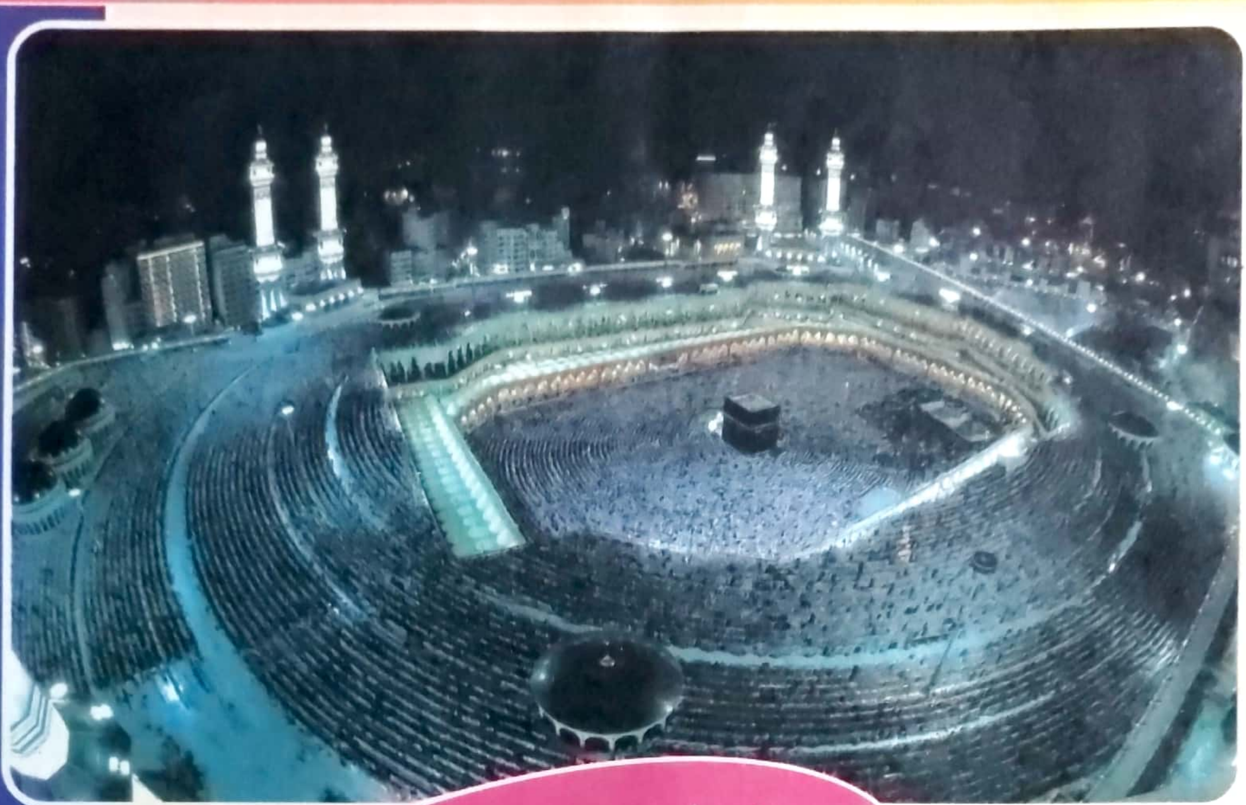
گذشتہ سالوں کے فدیہ میں وقتِ اداء کی قیمت معتبر ہے:

اگر کسی کے چالیس سال قبل روزے قضاء ہوگئے، اب بوجہ ضعف قضاء رکھنے سے معذوری ہے، تو کیا فدیہ میں گندم کی قیمت چالیس سال قبل کی لگائی جائے گی جب روزے قضاء ہوئے تھے، یا موجود نرخ لگایا جائے گا، اگر اقساط میں فدیہ اداء کیا جائے تو نیت کے روز جو نرخ ہے وہ محسوب ہوگا، یا بوقت اداء جو نرخ ہوگا وہ واجب الاداء ہوگا؟ اس بارے میں عموماً لوگ سوال کرتے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ فدیہ میں اصل واجب خود گیہوں ہے، قیمت اس کے قائم مقام ہے۔ اس لئے بہرصورت وقت اداء کے نرخ کا اعتبار ہے۔ (ردالمحتار:٢/٢٨٦) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

فدیہ رمضان سے قبل دینا جائز نہیں:

رمضان سے قبل اداء کرنے سے فدیہ اداء نہ ہوگا، البتہ رمضان شروع ہونے کے بعد آئندہ ایام کا فدیہ ایک ساتھ دے سکتے ہیں۔ (ردالمحتار:٢/٤٢٧، احسن الفتاوی:٤/٤٣٥) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم



تراویح کے مسائل

مسجد سے باہر تراویح کی جماعت:

سوال: نماز تراویح مسجد چھوڑ کر مکان یا دوسری جگہ حافظ مقرر کر کے پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ (اجمل خان۔کراچی)

جواب: فرائض مسجد میں جماعت کے ساتھ ادا کر کے صرف تراویح کی جماعت دوسری جگہ کرنا جائز ہے بشرطیکہ مسجد میں بھی تراویح کی جماعت ہو، اگر محلہ کی کسی مسجد میں بھی تراویح کی جماعت نہ ہو تو سب گنہگار ہوں گے۔(ردالمحتار مع الدر:۲/۴۵) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

مسافر، مریض اور عورت کے لئے تراویح کا حکم:

سوال: مسافر، مریض اور عورت اگر تراویح پڑھ لیں تو کوئی کراہت تو نہیں؟ (محمد اصغر۔مظفر آباد)

جواب: تراویح مرد اور عورت دونوں کے لئے سنت مؤکدہ ہے، اس لئے خواتین کو اپنے گھروں میں انفرادی طور پر تراویح پڑھنے کا اہتمام کرنا چاہئے۔ مسافر اور مریض کو اگر تراویح پڑھنے میں کسی قسم کی تکلیف اور پریشانی نہ ہو تو پڑھنا افضل ہے۔(درمختار:۲/۴۳) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

عورتوں کا تراویح کی جماعت میں شریک ہونا یا خود جماعت کروانا:

سوال: بعض جگہ مساجد میں عورتوں کے لئے علیحدہ جگہ کا انتظام ہوتا ہے اور وہ مسجد کی جماعت میں شریک ہوتی ہیں۔ اسی طرح بعض لڑکیاں حافظہ ہوتی ہیں وہ گھر میں تراویح پڑھاتی ہیں، گھر کی اور پڑوس کی خواتین بھی اس جماعت میں شریک ہوتی ہیں، حافظ لڑکیوں کا کہنا ہے کہ اس کے بغیر قرآن بھول جانے کا اندیشہ ہے۔ کیا شریعت کی رو سے عورتوں کا علیحدہ جماعت کروانا یا مردوں کی جماعت میں شریک ہونا جائز ہے؟ (متعدد سائلین)

جواب: جائز نہیں، جب فرض نماز کے لئے عورتوں کا مسجد کی جماعت میں شریک ہونا جائز نہیں تو تراویح کے لئے کیسے جائز ہو سکتا ہے؟ عورت کی سب سے افضل نماز حدیث کی رو سے وہ ہے جو وہ گھر کے تاریک تر کمرے میں اداء کرے۔

اسی طرح عورتوں کا گھروں میں علیحدہ جماعت کروانا بھی مکروہ ہے، نیز خواتین کا تراویح پڑھنے کے لئے گھروں سے نکلنا ضرورت میں داخل نہیں اور بلا ضرورت گھر سے نکلنا جائز نہیں۔ علاوہ ازیں عموماً عورتوں کی آواز گھر کے اندر یا باہر اجنبی اور غیر محرم مردوں تک پہنچتی ہے جس سے فتنہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے، اس لئے خواتین کو اس سے سخت اجتناب لازم ہے۔ نیز سرپرستوں پر فرض ہے کہ وہ انہیں اس منکر سے سختی سے منع کریں، ورنہ وہ بھی گناہ میں برابر کے شریک ہونگے۔

قانون شریعت کو توڑ کر اور اللہ تعالیٰ کو ناراض کر کے قرآن پختہ کرنا کون سی خوبی کی بات ہے؟ قرآن

خرچ نہ کرنے پر تنبی

ترجمہ: اور تمہیں کیا ہوگیا

نہیں خرچ کرتے اللہ کے راست

حالانکہ سب آسمان و زمین اللہ

میراث ہے۔(سورۂ حدید:۱۰)

پڑھنے اور یاد کرنے سے تو مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قوانین پر عمل کیا جائے، اگر عمل کرنے کے لئے آمادہ نہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ پڑھنے پڑھانے اور حافظ بننے سے اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا مقصد ہی نہیں، مقصد لوگوں سے واہ واہ سننایا اور کچھ ہے۔

حافظ لڑکیوں کو چاہئے کہ پورا سال تلاوت و منزل کا اہتمام کریں، قرآن پختہ رہے گا، قرآن کی پختگی کا بہانہ بنا کر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہرگز نہ کریں۔ (ردالمحتار: ۱/ ۵٦٥، ۵٦٦) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

تراویح میں قعدہ بھول کر تیسری، چوتھی رکعت بھی ملالی:

سوال: تراویح میں دوسری رکعت پر قعدہ بھول گیا اور سہواً تیسری چوتھی رکعت بھی پڑھ لی تو نماز صحیح ہوئی یا نہیں؟ اگر صحیح ہوگئی تو چاروں رکعات یا کہ دو؟ اگر دو ہوئیں تو پہلی دو ہوئیں یا آخری؟ (خالد اقبال۔ کراچی)

جواب: اس صورت میں سجدہ سہو واجب ہے، اگر سجدہ سہو کرلیا تو دوسری دو رکعات تراویح کی ہوگئیں اور پہلی دو نفل ہوگئیں، لہٰذا پہلی دو رکعات اور ان میں جو قرآن پڑھا گیا اسے دہرانا ضروری ہے۔ اگر سجدہ سہو نہیں کیا تو چاروں رکعات اور ان میں پڑھا گیا قرآن دہرانا ضروری ہے۔ (ہندیہ: ۱/ ۱۱۸، ردالمحتار: ۲/ ۹۱) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

دوسری رکعت پر قعدہ کیا سلام نہیں پھیرا:

سوال: زید تراویح کی دوسری رکعت پر بیٹھ کر سہواً اٹھ گیا اور چار رکعت پوری کرلیں تو تراویح کی دو رکعت ہوں گی یا چار رکعت؟ سجدہ سہو واجب ہوگا یا نہیں؟ (عامر خان۔ سرگودھا)

جواب: اگر دو رکعت پر بیٹھ کر تشہد پڑھ لیا پھر کھڑا ہوا تو چار رکعت ہوگئیں، سجدہ سہو کی ضرورت نہیں۔ (احسن الفتاویٰ: ۳/ ۵۱۲) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

ایک قعدہ سے تین رکعات تراویح:

سوال: امام تراویح کی دوسری رکعت پر بغیر قعدہ کئے سہواً کھڑا ہوگیا، تین رکعتیں پڑھ کر سجدہ سہو کرلیا تو دو رکعتیں صحیح ہوں گی یا نہیں؟ (محمد الطاف۔ راولپنڈی)

جواب: راجح قول کے مطابق صحیح نہیں ہوں گی۔ (ہندیہ: ۱/ ۱۱۸) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

نابالغ سامع کو صف اول میں کھڑا کرنا:

سوال: تراویح کی جماعت میں بعض جگہ سامع نابالغ بچہ ہوتا ہے اور سامع کو صف اول میں کھڑا ہونا ضروری ہوتا ہے، کیا اس صورت میں نابالغ کو صف اول میں کھڑا کرنا جائز ہے؟ (عطاء اللہ۔ لاہور)

جواب: نابالغ بلا ضرورت بھی بالغین کی صف میں کھڑا ہوسکتا ہے، ضرورت مذکورہ سے بطریق اولیٰ جائز ہے۔ (احسن الفتاویٰ: ۳/ ۵۱۷) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

فرض پڑھے بغیر وتر کی جماعت میں شرکت صحیح نہیں:

سوال: زید ایسے وقت مسجد میں آیا کہ وتر کی جماعت کھڑی تھی تو زید وضو کر کے وتر کی جماعت میں شریک ہو جائے یا عشاء کی نماز اور تراویح اداء کرے؟

جواب: پہلے فرض پڑھے، اس کے بعد وتر کی جماعت مل جائے تو شریک ہو جائے، اس کے بعد تراویح پڑھے۔ (احسن الفتاویٰ: ۳/ ۵۱۷) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

قرآن دیکھ کر لقمہ دینا مفسد ہے:

سوال: حافظ کو تراویح میں قرآن دیکھ کر لقمہ دینا جائز ہے یا نہیں؛ (کامران۔ کراچی)

جواب: قرآن میں دیکھ کر لقمہ دینے والے کی نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر امام نے لقمہ لے لیا تو سب کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ (ردالمحتار: ۱/ ٦٢٤) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

رمضان میں قضاء نماز اور ایک غلط عقیدہ:

سوال: بعض لوگ جمعۃ الوداع کو جماعت کے ساتھ قضاء نماز پڑھتے ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ یہ پوری زندگی کی فوت شدہ نمازوں کے لئے کافی ہے، اسے قضاء عمری کہتے ہیں۔ جبکہ بعض لوگ رمضان میں اس نیت سے فوت شدہ نمازیں قضاء پڑھتے ہیں کہ ایک نماز پڑھنے سے ستر قضاء نمازوں کی ادائیگی ہو جائے گی، کیونکہ مشہور ہے کہ رمضان میں ایک فرض کا ثواب ستر فرائض کے برابر ملتا ہے۔ شرعاً یہ عقیدہ و عمل کیسا ہے؟ (فرمان اللہ۔ پشاور)

جواب: یہ دونوں عقیدے غلط ہیں، قضاء عمری کو فقہاء نے بدعت قرار دیا ہے، اس کی شریعت میں کوئی اصل نہیں، اسی طرح ایک نماز قضاء پڑھنے سے ستر قضاء نمازوں کی ادائیگی کا بھی شرعاً کوئی ثبوت نہیں، جتنی نمازیں فوت ہوئیں ان سب کی قضاء فرض ہے، خواہ رمضان میں کرے یا غیر رمضان میں۔

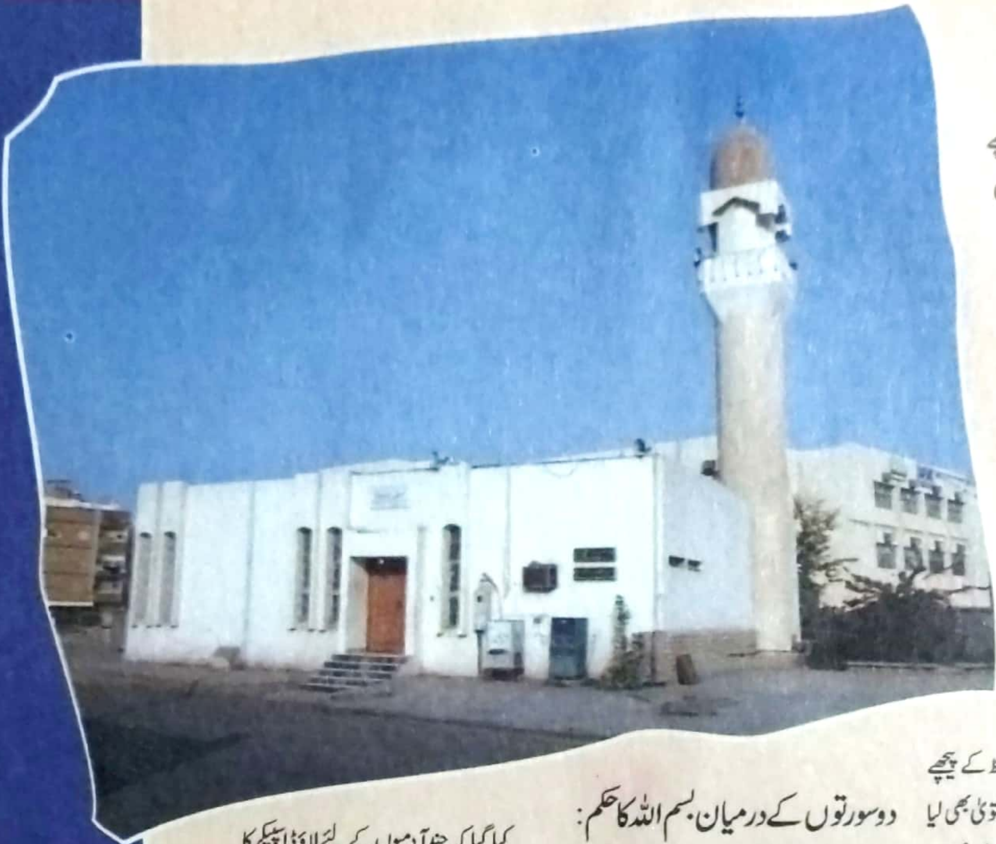
ایک فرض کا ثواب ستر فرائض کے برابر ملنے کا ایک حدیث میں ذکر ہے، مگر وہ حدیث ضعیف ہے اور فضائل میں بھی ضعیف حدیث پر عمل کرنے کی شرط یہ ہے کہ اسے سنت نہ سمجھا جائے۔ اگر حدیث کو قابل استدلال تسلیم کر بھی لیا جائے تو وہ رمضان میں ادا کئے جانے والے اعمال صالحہ کے بارے میں ہے اور قضاء نمازیں پڑھنا تو قرض کی ادائیگی کی طرح ہے۔ کیا رمضان میں کسی کا ایک ہزار روپے قرض اداء کرنے سے وہ ستر ہزار اداء کرنے کے قائم مقام ہوسکتا ہے؟ غرض اس حدیث سے ایک قضا نماز پڑھ کر ستر نمازوں کے ادا ہو جانے کا ثبوت قطعاً نہیں ملتا۔ (رد



سوال: بعض لوگ آٹھ رکعت تراویح پڑھ کر چلے جاتے ہیں کیا اس کا حدیث سے کوئی ثبوت ہے؟ (حافظ محمد طاہر۔ باغ آزاد کشمیر)

جواب: آٹھ رکعت کا کوئی ثبوت نہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین، ائمہ اربعہ اور تمام فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا چودہ سو سال سے بیس رکعت تراویح پر اجماع اور مسلسل تعامل چلا آرہا ہے۔ (ردالمحتار: ۲/ ٤٥، احسن الفتاویٰ: ۳/ ۵۲۷) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

المختار: ۱/ ۲۵، ۲٦) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم



وہیل چیئر پر بیٹھ کر امامت:

سوال: ایسے معذور قاری کے پیچھے تراویح پڑھنا کیسا ہے جو سجدہ کرنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو اور وہیل چیئر (کرسی) پر بیٹھ کر اشارے سے سجدہ کرتا ہو؟ (محمد جہانگیر خلیل۔ پشاور)

جواب: ایسے معذور کے پیچھے نماز درست نہیں۔ (رد المحتار: ۱/ ۵٤۲) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

پندرہ سالہ لڑکے کے پیچھے تراویح درست ہے:

سوال: ایک حافظ جس کی عمر پندرہ سال چار ماہ ہے اور وہ خود کو بالغ کہتا ہے، لیکن بلوغ کی ظاہری علامات اس پر دکھائی نہیں دیتیں، کیا ایسے حافظ کے پیچھے تراویح جائز ہے؟ اس کے والد نے جواز کا فتویٰ بھی لیا ہے، مگر ایک اور مولوی صاحب کہتے ہیں کہ سن بلوغ سترہ سال ہے، یہ ابھی بالغ نہیں ہے۔ برائے کرم ہماری تشویش کو دور فرمائیں۔

(محمد اصغر، عزیز احمد وغیرہ۔ تونسہ شریف)

جواب: سن بلوغ ۱۵ سال ہے، ظاہری علامات کا اعتبار نہیں ہے، پھر جب وہ خود بلوغ کا اقرار کرتا ہے تو شک کی کوئی وجہ نہیں۔ (رد المحتار: ۱/ ١٦٨)

لہٰذا اس حافظ کے پیچھے بلا تشویش تراویح پڑھتے رہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

تراویح پڑھے بغیر وتر کی جماعت میں شرکت:

سوال: بکر ایسے وقت میں آیا کہ تراویح کی جماعت اختتام پر تھی، بکر نے فرض وسنن مؤکدہ ادا کیں تو تراویح کی جماعت ختم ہو کر وتر کی جماعت کھڑی ہوگئی تو کیا بکر وتر کی جماعت میں شریک ہو جائے یا اپنی تراویح پڑھے، اگر کچھ تراویح رہ گئی ہوں تو پھر کیا حکم ہے؟

(خالد حسین۔ مری)

جواب: دونوں صورتوں میں وتر کی جماعت میں شریک ہو جائے، اسکے بعد تراویح پڑھے۔ (در مختار: ۲/ ٤٨) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

دو سورتوں کے درمیان بسم اللہ کا حکم:

سوال: تراویح میں دو سورتوں کے درمیان بسم اللہ کا کیا حکم ہے؟ جہراً پڑھا جائے یا سراً یا بالکل ترک کر دیا جائے؟ جیسا کہ بعض لوگ کرتے ہیں، نیز فرائض میں تسمیہ بین السورتین کا کیا حکم ہے؟

جواب: فرائض و تراویح دونوں میں دو سورتوں کے درمیان بسم اللہ پڑھنا افضل ہے، مگر قراءت خواہ جہریہ ہو یا سریہ، بہر کیف بسم اللہ آہستہ پڑھے، اس میں جہر خلاف سنت ہے۔ چونکہ "بسم اللہ" قرآن کریم کا جزء ہے اس لئے تراویح میں کسی بھی ایک سورۃ کے ساتھ بلند آواز سے ضرور پڑھے تاکہ مقتدیوں کا قرآن مکمل ہو جائے۔ (شامیہ: ۱/ ۵٤٨) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

شبینہ کا حکم:

سوال: گذشتہ چند سال سے یہ طریقہ رائج ہے کہ تراویح پڑھانے والا بارہ رکعت کے بعد مصلی چھوڑ دیتا ہے اور بقیہ آٹھ تراویح امام صاحب پڑھاتے ہیں، کچھ مقتدی بھی حافظ کے ساتھ تراویح چھوڑ دیتے ہیں اور وتر کی جماعت کے بعد حافظ صاحب اپنی بقیہ آٹھ رکعت تراویح شروع کرتے ہیں تو دوسرے بہت سے مقتدی بھی ان کے ساتھ نوافل کی نیت سے نماز میں شریک ہو جاتے ہیں، شبینہ تقریباً دو اڑھائی بجے تک رہتا ہے، اس کے لئے لاؤڈ اسپیکر کا خاص انتظام ہوتا ہے۔ بعض حضرات کو متوجہ کیا گیا کہ چند آدمیوں کے لئے لاؤڈ اسپیکر کا استعمال سوائے نمائش کے کچھ بھی نہیں تو انہوں نے یہ موقف اختیار کیا کہ گانا بجانا عام ہے، جگہ جگہ ریکارڈنگ ہوتی ہے، تو ہم کیوں لاؤڈ اسپیکر استعمال نہ کریں؟ اس کا شرعاً حکم کیا ہے؟

جواب: اس قسم کے متعارف شبینہ میں کئی قباحتیں ہیں، مثلاً:

(۱) نوافل کی جماعت۔

اگر حافظ اور کچھ مقتدی تراویح پڑھ رہے ہوں تو یہ خرابی اگرچہ نہ ہوگی مگر مندرجہ ذیل قباحتیں تو بہر حال ہیں:

(۲) لاؤڈ اسپیکر کی وجہ سے اہل محلہ کے کام، آرام اور عبادات میں خلل۔

(۳) نام و نمود۔

(٤) بعض لوگوں کا جماعت میں کھڑے ہونا اور بقیہ کا بیٹھے رہنا، جو جماعت اور قرآن کے احترام کے خلاف ہے۔

(۵) ضرورت سے زیادہ روشنی اور مٹھائی وغیرہ کا التزام۔

(٦) اس غلط رسم کے لئے چندہ کرنا، جبکہ بعض لوگ بغیر طیب خاطر کے محض مروت میں چندہ دیتے ہیں، جس کا استعمال حرام ہے۔

اس قسم کی اور بھی بہت سی خرابیاں ہیں جن کی بناء پر مروجہ شبینہ جائز نہیں۔ (احسن الفتاویٰ: ۳/ ۵۲۱)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

خرچ کرنے سے دل پاک ہوتا ہے

ترجمہ: اور اس آتش و دوزخ سے وہ نہایت متقی بندہ دور رکھا جائے گا جو اپنا مال راہ خدا میں اس لئے دیتا ہو کہ اس کی روح اور اس کے دل کو پاکیزگی حاصل ہو۔ (سورۃ اللیل)

تراویح کن لوگوں کے پیچھے جائز نہیں

قاری اور سامع کو کچھ لینا دینا حرام اور ایسے قاری کے پیچھے تراویح ناجائز ہے:

سوال: رمضان میں ختم قرآن پر قاری اور سامع اگر کچھ معاوضہ طے نہ کریں، ویسے ہی اہل مسجد ان کی کچھ خدمت کر دیں یا کپڑوں کا جوڑا بنا دیں تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

جواب: خدمت کے نام سے نقد یا کپڑے وغیرہ دینا بھی معاوضہ ہی ہے اور اجرت طے کرنے کی بنسبت زیادہ قبیح ہے، اس لئے کہ اس میں دو گناہ ہیں: ایک قرآن سنانے پر اجرت کا گناہ اور دوسرا اجرت غیر متعین ہونے کا گناہ۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ قاری اور سامع بھی للہ کام کرتے ہیں اور ہم بھی للہ ان کی خدمت کرتے ہیں، معاوضہ مقصود نہیں، ایسے حیلہ بازوں کی نیت معلوم کرنے کے لئے بعض علماء کرام نے یہ امتحان رکھا ہے کہ اگر قاری اور سامع کو کچھ بھی نہ ملے تو وہ آئندہ بھی اس مسجد میں خدمت کے لئے آمادہ ہوتے ہیں یا نہیں؟ اور اہل مسجد کا امتحان یہ ہے کہ اگر یہ قاری اور سامع ان کی مسجد میں نہ آئیں تو بھی یہ لوگ ان کی خدمت کرتے ہیں یا نہیں؟ اب دور حاضر کے لوگوں کو اس کسوٹی پر لائیے، قاری اور سامع کو اگر کسی مسجد سے کچھ نہ ملا تو عموماً آئندہ وہ اس مسجد کی طرف رخ بھی نہیں کریں گے اور اہل مسجد کا یہ حال ہے کہ جس قاری یا سامع نے ان کی مسجد میں کام نہیں کیا وہ خواہ کتنا ہی محتاج ہو، عموماً ان کو اس کی زبوں حالی پر قطعاً کوئی رحم نہیں آتا، اس سے ثابت ہوا کہ جانبین کی نیت معاوضہ کی ہے اور للّٰہیت کے دعوے میں جھوٹے ہیں، لہٰذا اس طرح سننے اور سنانے والے سب سخت گنہگار اور فاسق ہیں اور ایسے قاری کی امامت مکروہ تحریمی ہے۔

فرائض میں فاسق کی امامت کا یہ حکم ہے کہ اگر صالح امام میسر نہ ہو یا فاسق امام کو ہٹانے کی قدرت نہ ہو تو اس کی اقتدا میں نماز پڑھ لی جائے، جماعت ترک نہ کی جائے، مگر تراویح کا حکم یہ ہے کہ کسی حال میں بھی فاسق کی اقتداء میں جائز نہیں، اگر صالح حافظ نہ ملے تو چھوٹی سورتوں سے تراویح پڑھ لی جائیں، اگر محلہ کی مسجد میں ایسا حافظ تراویح پڑھائے تو فرض مسجد میں جماعت کے ساتھ ادا کر کے تراویح الگ مکان میں جماعت سے پڑھیں۔

بالفرض کسی قاری کا مقصود معاوضہ نہ ہو تو بھی لین دین کے عرف کی وجہ سے اس کی توقع ہو گی اور کچھ نہ ملنے پر افسوس ہو گا، یہ اشراف نفس ہے جو حرام ہے۔

اگر کسی قاری کو اشرافِ نفس سے بھی پاک تصور کر لیا جائے تو بھی اس لین دین میں عام مروّج فعل حرام سے مشابہت اور اس کی تائید ہوتی ہے، علاوہ ازیں دینی غیرت کے بھی خلاف ہے، اسلئے بہر کیف اس سے کلی اجتناب واجب ہے۔ (احسن الفتاوی: ۳/۵۱۴، رد المحتار: ۶/۵۵) واللہ الموفق

تراویح کی اجرت کے عدم جواز پر اشکال کا جواب:

سوال: حافظ قرآن کو تراویح میں قرآن سنانے اور سامع کو سننے کی اجرت لینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں تو امامت و خطابت اور تدریس پر اجرت لینا کیوں جائز ہے؟ یہ بھی تو دین کے کام ہیں۔ (محمد عیسیٰ سعید۔ بگرام، ظفر محمد۔ جہلم)

جواب: تراویح کی اجرت نا جائز اور امامت و خطابت اور تدریس کی اجرت جائز ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ دین کی حفاظت فرض ہے اور دین کی حفاظت اور بقاء امامت و خطابت اور درس و تدریس پر موقوف ہے، اگر ان امور پر اجرت لینے کو نا جائز قرار دیا جائے تو بیت المال کا نظام (جو ان شعبوں میں ہمہ تن مشغول رہنے والے علماء وائمہ کی کفالت کا ضامن ہوا کرتا تھا) نہ ہونے کی وجہ سے سب اپنی معاشی ضروریات پوری کرنے کے لئے ذرائع معاش اختیار کرنے پر مجبور ہوں گے اور ان خدمات کے لئے افراد کا ملنا مشکل بلکہ محال ہو جائے گا، نتیجۃً مسلمانوں کی انفرادی و اجتماعی زندگی سے تمام احکام شرعیہ رفتہ رفتہ مٹ جائیں گے۔ اس لئے بیت المال کا نظام درہم برہم ہو جانے کے بعد متاخرین فقہاء حنفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے ان امور دینیہ پر اجرت لینے کو جائز قرار دیا ہے۔

جبکہ تراویح میں قرآن سنانے پر دین کی حفاظت و بقا موقوف نہیں، نیز رمضان سال میں صرف ایک بار آتا ہے، حافظ قرآن کا کوئی نہ کوئی ذریعۂ معاش یا درس و تدریس کا سلسلہ ہوتا ہے، جس سے وہ پورا سال گزر بسر کرتا ہے، اس کی معاش اسی ایک ماہ کی اجرت پر موقوف نہیں ہوتی، اس لئے فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ تراویح میں قرآن سنانے کی اجرت جائز نہیں، لینے اور دینے والے دونوں فریق گنہگار ہوں گے۔

اگر کسی امام و خطیب یا مدرس کو معاشی تنگی کا سامنا ہے اور تنخواہ سے اس کا گزارا مشکل ہے تو اہل محلہ کی دینی و اخلاقی ذمہ داری ہے کہ وہ اس کی تنخواہ میں بقدر ضرورت اضافہ کریں تا کہ وہ فراغت اور دلجمعی سے دینی خدمات سر انجام دے سکے، یہ مسلمانوں کی دنیوی اور جسمانی ضروریات سے زیادہ بڑی اور اہم ضرورت ہے کہ علماء وائمہ اور حفاظ و قراء کو معاشی ضرورتوں سے بے فکر کر کے انہیں خدمات دینیہ کے لئے فارغ رکھیں، اسی میں عوام اور ان کی آئندہ نسلوں کے دین کی حفاظت ہے۔

علماء وائمہ کو بھی چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے پر قناعت کریں اور اخلاص و استغنا سے اصول شرعیہ کے مطابق خدمت دین میں مشغول رہیں، اللہ تعالیٰ خود ان کی ہر ضرورت کے پورا ہونے کا غیب سے انتظام فرمائیں گے اور عزت سے کھلائیں گے۔

حفاظ کرام چند ٹکوں کی خاطر للہ قرآن سنانے کے اجر عظیم سے خود کو کیوں محروم کرتے ہیں؟

حدیث میں ہے:

"اقرؤا القرآن ولا تأکلوا بہ."

ترجمہ: قرآن پڑھو اور اسے کسب کا ذریعہ نہ بناؤ۔

عالم اسلام کے مایہ ناز فقیہ علامہ شامی رحمہ اللہ اپنی شہرۂ آفاق کتاب "ردالمحتار" میں تحریر فرماتے ہیں:

"وان القراءۃ لشئ من الدنیا لا یجوز وان الآخذ و المعطی آثمان"

یعنی دنیا کی کسی چیز کی خاطر قرآن کی تلاوت ناجائز ہے، لینے اور دینے والا دونوں یقیناً گنہگار ہیں۔

اللہ تعالیٰ سب کو اپنی مرضی کے مطابق خدمت دین کی توفیق عطاء فرمائیں، آمین۔(رد المختار:٦/ ٥٧،٥٥)واللہ الموفق و هو المعین

ڈاڑھی کٹانے والے کے پیچھے تراویح جائز نہیں:

سوال: زید امام مسجد ہے، وہ اپنی ڈاڑھی کو کبھی مشین سے خشخشی کراتا ہے اور کبھی قینچی سے کترا تا ہے، یعنی اس کی ڈاڑھی ایک مشت سے کم ہے، اگر کوئی اس سے پوچھے کہ آپ ایک مشت یا اس سے زیادہ ڈاڑھی کیوں نہیں رکھتے؟ تو جواب دیتا ہے کہ ڈاڑھی کا صرف منہ پر نظر آنا ضروری ہے، ایک مشت یا اس سے زیادہ رکھنا ضروری نہیں، زید کے اس جواب کی شرعی نوعیت کیا ہے اور ایسے امام کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟



بکر حافظ قرآن اور خوش الحان ہے اور وہ بھی اپنی ڈاڑھی کترا تا ہے، اس کی ڈاڑھی زید کی طرح ہے، صورت وسیرت میں متبع شریعت حفاظ بآسانی مل سکتے ہیں، اگر کسی مسجد کی انتظامیہ کے کچھ ارکان بکر کو تراویح میں قرآن سنانے کے لئے مقرر کردیں تو حافظ مذکور کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟ اگر مسجد کی انتظامیہ کمیٹی کے صدر یا ممبر پابندِ شریعت حافظ کی جگہ بکر جیسے حافظ کا تقرر کریں جب کہ ان کو مسئلہ بھی بتادیا گیا ہو تو ایسے ارکان کمیٹی کے لئے شریعت مقدسہ کا کیا حکم ہے؟ ایسے حافظ یا ائمہ جو ڈاڑھی کترا کر مشت سے کم رکھ کر تراویح یا پنجگانہ نماز کے امام بن جاتے ہیں، ان کے لئے شریعت مقدسہ کا کیا حکم ہے؟ مساجد و مدارس عربیہ کی انتظامیہ کمیٹی کا صدر، متولی یا مہتمم صورت وسیرت میں حتی الوسع متبع شریعت ہونا ضروری ہے یا نہیں؟ وما کانوا اولیآءہ ان أولیآؤہ الاالمتقون. (سورہ انفال: آیت:٣٤) کا مفہوم کیا ہوگا؟

جواب: ڈاڑھی ایک مشت سے کم کرنا بالاتفاق حرام ہے بلکہ شریعت کی علانیہ بغاوت ہونے کی وجہ سے دوسرے کبائر سے بھی شدید گناہ ہے، لہٰذا زید فاسق ہے اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، متبع شریعت حافظ نہ ملے تو بھی فاسق کو تراویح کا امام بنانا جائز نہیں، فرائض میں صالح امام میسر نہ ہو تو جماعت نہ چھوڑے فاسق امام کے پیچھے فرض نماز پڑھ لے مگر تراویح میں فاسق کی اقتدا کسی صورت میں بھی جائز نہیں، صالح حافظ نہ ملنے کی صورت میں تراویح چھوٹی سورتوں سے پڑھی جائے، اگر ڈاڑھی کٹانے والے کو مسجد کی منتظمہ متعین کردے تو بھی اس کی اقتدا میں تراویح پڑھنا جائز نہیں، ایسے ارکان کمیٹی جو مسئلہ کا علم ہونے کے بعد بھی فاسق کو امام متعین کرنے پر بضد ہوں، خود فاسق ہیں، اہل محلّہ پر فرض ہے کہ ایسے بے دین ارکان کو مسجد کی مجلس منتظمہ سے فوراً برطرف کردیں، یہ لوگ اس منصب کے اہل نہیں ہیں، اگر اہل محلّہ کو اس پر قدرت نہیں تو حکومت پر فرض ہے کہ ان کو اس مقدس منصب سے برطرف کرے اور ان کو مناسب سزا دے۔

مساجد اور مدارس عربیہ کے کارکنوں کو ظاہراً اور باطناً متبع شریعت ہونا ضروری ہے، اگر کوئی رکن متبع شریعت نہیں تو وہ بھی واجب العزل ہے۔(احسن الفتاویٰ:٣/ ٢٦٠، ٢٦١)واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

ڈاڑھی کٹانے سے توبہ کے بعد ڈاڑھی پوری ہونے سے پہلے امامت:

سوال: ایک حافظ صاحب کو تراویح کیلئے امام مقرر کیا گیا، جن کی ڈاڑھی ایک مشت سے بہت چھوٹی تھی، حافظ صاحب سے پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ میں نے ڈاڑھی کٹانے سے توبہ کرلی ہے۔ ایک مقتدر مولوی صاحب سے مسئلہ پوچھا گیا تو انہوں نے تحریری فتویٰ ارسال فرمایا کہ حافظ صاحب آئندہ ڈاڑھی نہ کٹانے کا عہد کرنے کے بعد بھی جب تک ان کی ڈاڑھی ایک مشت تک نہ پہنچے، تراویح کی امامت کے شرعاً اہل نہیں۔ حافظ صاحب کے متعلقین نے جواز کی کوشش میں ایک دوسرے مولوی صاحب سے رجوع کیا، انہوں نے فرمایا کہ چونکہ حافظ صاحب نے توبہ کرلی ہے اور توبہ سے کبائر بھی معاف ہوجاتے ہیں، لہٰذا اب اس کی امامت میں کوئی کراہت نہیں، اس بنا پر مقتدیوں کے درمیان اختلاف پیدا ہوگیا ہے اور کچھ لوگ اس مسجد کو چھوڑ کر دوسری مساجد میں چلے گئے ہیں۔ آپ وضاحت فرمائیں کہ دونوں مولوی صاحبان میں سے کس کا فتویٰ صحیح ہے؟(ابن عبدالغفار۔ چنیوٹ، محمد عثمان پٹھان۔ گھوٹکی)

جواب: توبہ کے باوجود ڈاڑھی پوری ہونے سے پہلے ایسے شخص کی امامت دو وجہ سے مکروہ ہے:

(١)اس پر تاحال اثرِ صلاح نمایاں نہیں ہوا، یہ فیصلہ نہیں کیا جاسکتا کہ آئندہ اس کبیرہ سے اجتناب کا اہتمام کرے گا یا نہیں، بہت سے حفاظ کی عادت ہے کہ وہ صرف رمضان میں قرآن سنانے کیلئے ڈاڑھی رکھتے ہیں، رمضان کے بعد پھر منڈا دیتے ہیں یا کٹوا دیتے ہیں، جیسا کہ اختصار کردہ استفتاء کی تفصیل سے بھی معلوم ہوتا ہے۔

(٢)جن لوگوں کو توبہ کا علم نہیں ان کو مغالطہ ہوگا اور وہ یہی سمجھیں گے کہ فاسق نماز پڑھا رہا ہے، اس سے نمازیوں میں اختلاف وانتشار پیدا ہوگا، جیسا کہ سوال میں بھی مذکور ہے۔

لہٰذا ایسے حافظ کو تراویح میں امام بنانے سے احتراز کیا جائے۔(احسن

زکوۃ سے مال کا
شر دور ہو جاتا ہے

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فر
کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ار
ہے کہ جو شخص مال کی زکوۃ ادا کردے تو ا
مال کا شر اس سے جاتا رہتا ہے۔(طبرا

اعتکاف



اعتکاف کے فضائل، تعریف، شرائط، قسمیں

فضائل:

(۱)عن عائشة رضی الله عنها أن النبی صلی الله علیه وسلم کان یعتکف العشر الأ واخر من رمضان حتی تو فاه الله ثم اعتکف أزواجه من بعده. (بخاری ومسلم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے اخیر عشرہ میں اعتکاف فرمایا کرتے تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وفات دے دی، پھر اس کے بعد آپ کی ازواج مطہرات نے اعتکاف کا معمول جاری رکھا۔

(۲)عن ابن عباس رضی الله عنهما أن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال فی المعتکف هو یعتکف الذنوب و یجزی له من الحسنات کعامل الحسنات کلها. (ابن ماجہ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معتکف کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ وہ گناہوں سے بچا رہتا ہے اور اس کو ان تمام اچھے کاموں کا جو وہ اعتکاف کی وجہ سے نہیں کرسکتا ایسے ہی بدلہ دیا جائے گا جیسا کہ نیکی کرنے والے کو دیا جاتا ہے۔

اعتکاف کی تعریف اور اس کی شرائط:

اعتکاف کہتے ہیں عبادت کی نیت سے مسجد میں ٹھہرنے کو، صحت اعتکاف کیلئے درج ذیل شرائط کا پایا جانا ضروری ہے:

(۱) مسلمان ہونا، کافر کا اعتکاف نہیں۔

(۲) عاقل ہونا، مجنون کا اعتکاف نہیں۔ بالغ ہونا شرط نہیں اس لئے نابالغ سمجھدار بچہ بھی اعتکاف بیٹھ سکتا ہے۔

(۳) جنابت سے پاک ہونا، ناپاک شخص کا مسجد میں داخلہ ممنوع ہے۔

(٤) اعتکاف کی نیت کرنا، بلانیت مسجد میں بیٹھنے سے اعتکاف نہ ہوگا۔

(٥) جس جگہ اعتکاف بیٹھے وہ جگہ شرعی مسجد ہو۔

(٦) سنت اور واجب اعتکاف میں روزہ سے ہونا۔ (عالمگیریہ: ۱/۱۲٤، مراقی الفلاح مع الطحطاوی: ص ۳۸۱)

مسجد کی حد:

مسجد سے مراد خاص وہ حصہ زمین ہے جو نماز کے لئے تیار کیا گیا ہو، یعنی اندر کا کمرہ، برآمدہ اور صحن۔ باقی جو حصہ اس سے خارج ہو وہ مسجد کے حکم میں نہیں، خواہ ضروریات مسجد ہی کے لئے وقف ہو، جیسے امام کا حجرہ، مسجد سے ملحق مدرسہ، جنازہ گاہ، وضو خانہ، غسل خانہ، استنجاخانے۔ یہ تمام جگہیں مسجد سے خارج ہیں، اگر معتکف نے بلاضرورت ان میں قدم رکھا تو اعتکاف ٹوٹ جائے گا۔

(ہندیہ: ۱/۲۱٤، شامیہ: ۲/٤٥٠)

مسجد سے نکلنے کی حد:

مسجد سے باہر نکلنے کا حکم تب لگے گا جب دونوں پاؤں مسجد سے باہر ہوں اور دیکھنے والے یہی سمجھیں کہ یہ مسجد سے باہر ہے، لہٰذا صرف سر باہر نکالنے سے اعتکاف نہیں ٹوٹے گا۔ (ہندیہ: ۲/۲۱۳)

مسجد کی چھت یا زینہ پر چڑھنا:

مسجد کی چھت کا بھی وہی حکم ہے جو مسجد کا، اسی طرح مسجد کئی منزلہ ہو تو اوپر نیچے کی تمام منزلوں کا ایک ہی حکم ہے، معتکف ان سب میں آ جاسکتا ہے، بشرطیکہ آنے جانے کا زینہ حدود مسجد کے اندر ہو۔ (شامیہ: ۲/٤٤٦)

حدود مسجد سے لاپروائی:

اس مسئلہ میں بہت سے معتکف کوتاہی کا شکار ہو کر اپنا اعتکاف توڑ بیٹھتے ہیں، اس لئے معتکف کو چاہئے کہ اعتکاف میں بیٹھنے سے پہلے متولی مسجد سے پوچھ کر مسجد کی حدود پوری طرح معلوم کرلے۔

زکوٰۃ اور سود میں فرق

ترجمہ: اور جو چیز تم اس غرض سے دو گے کہ سود بن کر لوگوں کے مال میں بڑھوتری کا سبب بنے یہ تو اللہ کے نزدیک نہیں بڑھتا اور جو کچھ زکوٰۃ دو گے جس سے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود ہو تو ایسے لوگ اپنے دیئے ہوئے مال کو اللہ تعالیٰ کے پاس بڑھاتے رہتے ہیں۔ (سورۂ روم: ۳۹)

اعتکاف کی قسمیں

اعتکاف کی تین قسمیں ہیں:

(۱) واجب: جس کی منت مان لی جائے خواہ منت کسی شرط پر موقوف ہو، مثلاً میرا فلاں کام ہوگیا تو اتنے دن کا اعتکاف کروں گا، یا منت کسی شرط کے بغیر ہو مثلاً اللہ تعالیٰ کے لئے اتنے دنوں کا اعتکاف میرے ذمہ ہے، منت کا اعتکاف اس صورت میں واجب ہوتا ہے کہ زبان سے الفاظ اداء کر کے اپنے ذمہ واجب کرے۔ صرف دل میں نیت کرنے سے منت نہیں ہوتی۔ (ہندیہ: ۱/۲۱۳)

(۲) مسنون: رمضان کے آخری عشرے کا اعتکاف سنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے۔

(۳) مستحب: ان دو قسموں کے سوا جو اعتکاف کیا جائے وہ مستحب ہے۔ (درمختار: ۲/۴۴۱)

اعتکاف ہر محلّہ میں سنت کفایہ ہے:

رمضان کے آخری عشرے کا اعتکاف شہر کے ہر محلّہ کے حق میں سنت علی الکفایہ ہے۔ یعنی ہر محلّہ کی مسجد میں ایک آدمی اعتکاف بیٹھے ورنہ پورا محلّہ تارک سنت ہوگا۔ (احسن الفتاویٰ: ۴/۵۰۸)

اعتکاف کس مسجد میں افضل ہے؟

اعتکاف کے لئے سب سے افضل جگہ مسجد حرام ہے، اس کے بعد مسجد نبوی، پھر مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) پھر بڑی مسجد جس میں نمازی زیادہ آتے ہوں، بشرطیکہ اس میں پانچوں وقت جماعت ہوتی ہو، ورنہ اپنے محلّہ کی مسجد افضل ہے۔ (ہندیہ: ۱/۲۱۱)

مسنون اعتکاف کس وقت سے شروع ہوتا ہے؟

مسنون اعتکاف میں بیٹھنے کے لئے ضروری ہے کہ ۲۰ رمضان کو غروب آفتاب سے پہلے پہلے مسجد میں داخل ہو جائے اور اعتکاف کی نیت بھی غروب سے پہلے کرلے، خواہ مسجد میں داخل ہوتے ہوئے کرے یا داخل ہونے کے بعد کرے۔ اگر غروب کے بعد مسجد میں داخل ہوا، یا مسجد میں پہلے سے موجود تھا مگر نیت غروب کے بعد کی تو یہ اعتکاف مسنون نہ ہوگا، مستحب ہو جائے گا، اس لئے کہ پورے عشرہ اخیرہ کا اعتکاف نہ ہوا۔

(امداد الفتاویٰ: ۲/۱۵۴، جواہر الفقہ: ۱/۳۸۳)

معتکف کے لئے مستحب امور:

اعتکاف میں بیٹھنے والے کے لئے درج ذیل کام مستحب ہیں:

(۱) لایعنی باتوں سے اپنے آپ کو بچائے، زبان سے صرف کلمہ خیر نکالے۔

(۲) قرآن مجید کی تلاوت کثرت سے کرے۔

(۳) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ، حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کے پاکیزہ حالات اور سلف صالحین کے واقعات و ملفوظات کا مطالعہ کرے۔

(۴) اعتکاف کے دوران مسائل دینیہ (اہل حضرات یا مستند کتب کی مدد سے) سیکھنے پر خصوصی توجہ دے۔

(عالمگیریہ: ۱/۲۱۲، ردالمحتار: ۲/۴۵۰)

(۵) علاوہ ازیں نفل نمازوں (تحیۃ الوضوء، تحیۃ المسجد، اشراق، چاشت، اوّابین اور تہجد) کی حتی الامکان پابندی کرے۔

(۶) تمام اذکار مسنونہ پابندی سے پڑھے۔

(۷) درود شریف، کلمہ طیبہ اور استغفار کی کثرت کرے۔

(۸) شب قدر کی پانچوں راتوں میں ممکن ہو تو رات بھر بیدار رہے اور انہیں مختلف قسم کی عبادات میں بسر کرے، نوافل اور ذکر و تلاوت کے علاوہ دعاء کثرت سے کرے۔

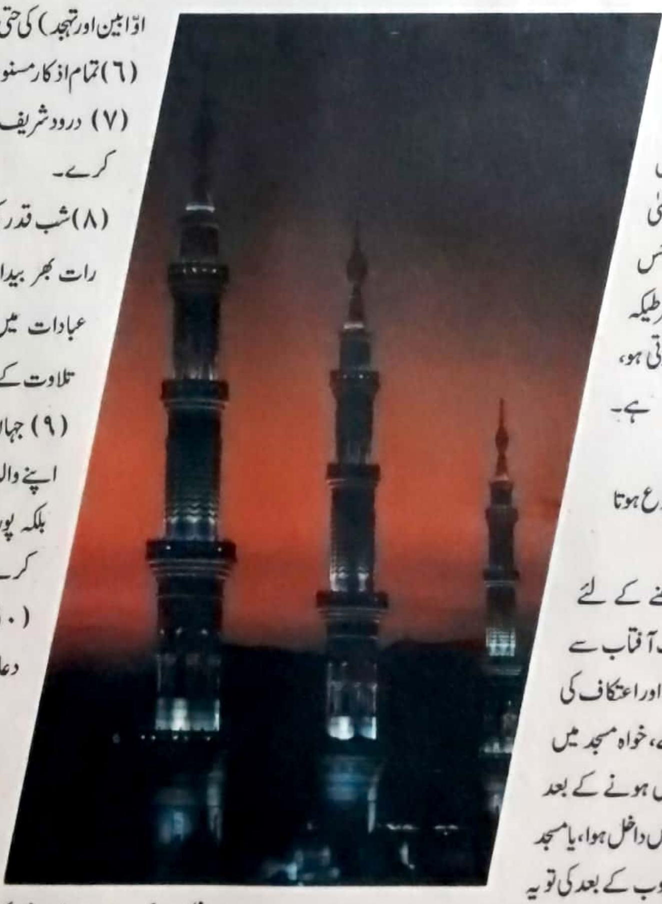
(۹) جہاں اپنے لئے دعاء کرے وہاں اپنے والدین، اعزہ واحباب، ملک وملت بلکہ پوری امت کے حق میں بھی دعاء کرے۔

(۱۰) شب قدر کی راتوں میں یہ دعاء بھی اہتمام وتوجہ سے کرے:

"اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ، تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ"

"اے اللہ! بے شک آپ معاف کرنے والے ہیں، معافی کو پسند کرتے ہیں، پس مجھے بھی معاف کردیجئے۔"

(ترمذی واحمد وابن ماجہ)



تنبیہ:

ان امور کی بجا آوری بقدر استطاعت کی جائے، اتنا زیادہ غلو جس سے دوسروں کو اعتکاف سے توحش ہو جائز نہیں۔

خرچ نہ کرنے پر وعید

ترجمہ: اور جو لوگ سونا چاندی جمع کر کر رکھتے ہیں اور ان کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے سو آپ ان کو ایک بڑی دردناک سزا کی خبر سنا دیجئے جو کہ اس روز واقع ہوگی کہ ان کو دوزخ کی آگ میں تپایا جاوے گا پھر ان سے ان لوگوں کی پیشانیوں اور ان کی کروٹوں اور ان کی پشتوں کو داغ دیا جاویگا یہ وہ ہے جس کو تم نے اپنے واسطے جمع کر کر کے رکھا تھا سو اب اپنے جمع کرنے کا مزہ چکھو۔ (التوبہ: ۳۴، ۳۵)



معتکف کے لئے جائز وناجائز امور

درج ذیل کام صرف معتکف کے لئے مباح (جائز) ہیں:

کھانا پینا وغیرہ:

مسجد میں کھانا پینا، لیٹنا اور آرام کرنا۔ (ہدایہ:۱/۲۲)

لباس تبدیل کرنا اور تیل لگانا:

لباس تبدیل کرنا اور تیل لگانا جائز ہے۔(بدائع الصنائع: ۱/۱٦)

مگر تیل لگانے میں یہ احتیاط ضروری ہے کہ مسجد کی چٹائی، دری یا مسجد کی اور کوئی چیز آلودہ نہ ہو، نہ بال مسجد میں گرنے پائیں، کوئی چادر وغیرہ بچھالیں، پھر اسے مسجد سے باہر مناسب جگہ جھڑوادیں یا کسی تھیلی وغیرہ میں رکھیں، بعد میں مناسب جگہ ڈلوادیں۔

جگہ تبدیل کرنا:

جگہ تبدیل کرنا، یعنی مسجد میں ایک جگہ اعتکاف بیٹھنے کے بعد اٹھ کر دوسری جگہ بیٹھ جانا۔
نفل اعتکاف بیٹھنے والے کے لئے بھی یہ کام بلا کراہت مسجد میں جائز ہیں۔(ردالمحتار:۲/۴۴۸)

مسجد میں معتکف کا خرید وفروخت کرنا:

اپنی بیوی یا بچوں کی ضرورت سے مسجد میں کسی چیز کی خرید وفروخت کرنا جائز ہے، مگر سودا سلف مسجد میں رکھنا جائز نہیں، ہاں اگر ایسی ہلکی پھلکی چیز ہو جو مسجد میں جگہ نہ گھیرے تو اسے لانے کی گنجائش ہے۔ اور جو چیز اپنی یا اہل وعیال کی ضرورت کی نہ ہو یا بنیت تجارت اس کی خرید وفروخت کی جائے تو یہ خرید وفروخت ناجائز ہے، اگرچہ صرف زبانی ہی ہو۔

(ردالمحتار:۲/۴۴۸)

مباح باتیں کرنا:

بقدرِ ضرورت مباح باتیں کرنا درست ہے۔ (بدائع الصنائع)

بالکل خاموش رہنا بھی جائز ہے جبکہ اسے ثواب وقربت نہ سمجھے۔(ردالمحتار:۲/۴۴۹)

گفتگو کرنے میں یہ احتیاط ضروری ہے کہ کسی دوسرے معتکف یا نمازی کی راحت وعبادت میں خلل نہ آئے، ورنہ یہ گفتگو ناجائز ہوگی۔

معتکف کا مسجد میں سر وغیرہ دھونا:

سر مسجد سے باہر نکال کر اور ڈاڑھی وغیرہ دھونا بھی جائز ہے، خواہ خود دھوئے یا کسی سے دھلوائے، اسی طرح مستعمل پانی کے لئے کوئی بڑا برتن رکھ کر ہاتھ منہ یا سر مسجد میں دھونا چاہے بلکہ وضو بھی کرنا چاہے تو مضایقہ نہیں، بشرطیکہ پانی مسجد میں گرنے نہ پائے۔(البحر الرائق:۲/۳۰۲)

معتکف کے لئے نسوار، سگریٹ کا استعمال:

حقہ اور سگریٹ مسجد میں بیٹھ کر پینا جائز نہیں، اور معتکف کے لئے مسجد سے باہر جانا بھی جائز نہیں۔
اگر معتکف ان چیزوں کا عادی ہے تو اسے مدت اعتکاف میں ان چیزوں کو ترک کردینا چاہئے۔
اگر کسی کو شدید تقاضا ہو تو وہ کسی ضرورت کے موقع پر مسجد سے نکلے تو راستہ میں سگریٹ، بیڑی، نسوار استعمال کرلے، مگر اس کے بعد فوراً منہ سے بدبو زائل کردے۔

معتکف کا ضرورۃً محرم عورت سے ملنا:

عورت کا اعتکاف

عورت گھر کی مسجد (یعنی نماز کی مخصوص جگہ) میں اعتکاف کرے اور یہ جگہ اس کے حق میں بمنزلہ مسجد کے ہوگی، یعنی کھانا، پینا، لیٹنا اسی جگہ ہوگا اور کسی طبعی یا شرعی ضرورت کے بغیر اس جگہ سے باہر ہونے پر اعتکاف ٹوٹ جائے گا۔ اگر گھر میں پہلے سے نماز کی مخصوص جگہ موجود ہو تو اسی میں اعتکاف کرے، اس سے ہٹ کر گھر میں دوسری جگہ اعتکاف جائز نہیں اور پہلے سے کوئی جگہ نماز کے لئے مخصوص نہیں ہے تو اب مخصوص کرلے اور اسی میں اعتکاف کرے، گھر کی بجائے مسجد میں اعتکاف کرنا عورت کے لئے مکروہ ہے۔(ہندیہ:۱/۲۱۱)

عورت کا دورانِ اعتکاف گھر کا کام کرنا:

سوال: جو عورت گھر میں اعتکاف بیٹھے، وہ گھر کے کام کاج کس طرح کرے؟ جبکہ اور کوئی گھر کا کام کرنے والا بھی نہیں ہے۔(محبوب عالم)

جواب: بیت الخلا کے تقاضے اور وضوء کے علاوہ اعتکاف کی جگہ سے باہر نکلنے سے اعتکاف ٹوٹ جاتا ہے، لہٰذا ایسی عورت جس کے گھر میں کوئی اور کام کاج کیلئے نہ ہو وہ مسنون اعتکاف کے لئے نہ بیٹھے، البتہ اپنے کاموں سے فارغ ہو کر اس مخصوص جگہ پر ذکر و تلاوت و عبادت کے ذریعے اس مقدس مہینے کی برکات سے فائدہ اٹھا سکتی ہے۔ واللہ اعلم

عورت کو اعتکاف کے لئے شوہر کی اجازت ضروری ہے:

عورت کو اعتکاف میں بیٹھنے کے لئے خاوند سے اجازت حاصل کرنا ضروری ہے اور خاوند اسے اعتکاف سے منع بھی کرسکتا ہے، لیکن جب ایک بار اجازت دے دی تو اب منع نہیں کرسکتا۔(ہندیہ:۱/۲۱۱)

اجازت کے بعد شوہر بیوی سے ہم بستری نہیں کرسکتا:

خاوند نے جب اجازت دے دی تو اب اس کے لئے بیوی سے ہم بستر ہونا، بوس و کنار کرنا یا اس ارادہ سے بیوی کی اعتکاف گاہ میں داخل ہونا جائز نہیں، تاہم اس نے ہم بستری کرلی تو بیوی کا اعتکاف فاسد ہوگیا، ہم بستری کے سوا دوسری باتوں سے اعتکاف نہیں ٹوٹتا۔(ہندیہ:۱/۲۱۳)

نابالغ بچوں کو اعتکاف بٹھانا:

سوال: آج کل مسجد میں نابالغ لڑکوں کو بھی اعتکاف بٹھا دیا جاتا ہے جو کہ پریشانی کا باعث بنتے ہیں۔ آپ یہ بتائیں کہ کیا بچوں اور نابالغ لڑکوں کو اعتکاف بٹھایا جاسکتا ہے؟(محبوب عالم)

جواب: اعتکاف عاقل بالغ مسلمانوں کیلئے مسنون ہے، بچوں کیلئے نہیں، سمجھدار بچے کا اعتکاف بیٹھنا اگرچہ فی نفسہ جائز ہے مگر اس زمانے میں بچوں کے اعتکاف بیٹھنے میں بہت سے مفاسد اور خرابیاں ہیں جن کے ہوتے ہوئے بچوں کو اعتکاف بٹھانا جائز نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

مسنون اعتکاف کب ختم ہوگا؟

جب شوال کا چاند نظر آئے تو اعتکاف پورا ہوجاتا ہے۔ معتکف اگر چاہے تو اسی وقت مسجد سے گھر چلا جائے، لیکن افضل یہ ہے کہ رات مسجد ہی میں گزارے اور صبح عید کی نماز کے لئے مسجد ہی سے جائے، پھر عید کی نماز کے بعد گھر جائے۔

کوئی ضروری کام درپیش ہو تو بیوی یا کوئی محرم خاتون (ماں، بیٹی، بہن، بھتیجی وغیرہ) مسجد میں آکر معتکف سے مل سکتی ہے، لیکن ضروری ہے کہ ایسے وقت آئے جب مسجد میں عام لوگ نہ ہوں اور باپردہ آئے، نیز اس موقع پر کسی دوسرے شخص کی نظر پڑ جائے تو اس کے سامنے فوری وضاحت کردے کہ یہ میری بیوی ہے یا محرم خاتون ہے، تاکہ اس کے لئے بدگمانی کا موقع نہ رہے۔

معتکف کا مسجد میں ٹہلنا:

معتکف کا بضرورت مسجد میں ٹہلنا جائز ہے۔

معتکف کا مسجد میں مریض کا علاج کرنا:

مسجد میں مریض کا حال سن کر یا معاینہ کرکے اسے بلا معاوضہ دواء یا علاج بتانا اور نسخہ لکھ دینا جائز ہے۔ (ردالمحتار:۲/۴۴۸)

معتکف کا مسجد میں حجامت بنوانا:

اپنی حجامت خود بنانا جائز ہے اور حجام سے بنوانے میں یہ تفصیل ہے کہ اگر بدون عوض کرتا ہے تو مسجد کے اندر جائز ہے اور اگر بالعوض کرتا ہے تو معتکف مسجد کے اندر رہے مگر حجام مسجد سے باہر بیٹھ کر حجامت بنائے۔ مسجد کے اندر اجرت پر کام کرنا جائز نہیں۔(ردالمحتار:۲/۴۴۹)

معتکف کا مسجد میں کپڑے دھونا یا سینا:

معتکف کے لئے مسجد میں بوقت ضرورت اپنے کپڑے دھونا اور سینا جائز ہے، مگر یہ احتیاط ضروری ہے کہ پانی مسجد میں گرنے نہ پائے، واضح رہے کہ کپڑے دھونے کے لئے مسجد سے باہر نکلنا جائز نہیں۔(درمختار:۲/۴۴۵)

اعتکاف میں پردے لٹکانا:

اعتکاف میں پردے لٹکانا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، معتکف کو چاہئے کہ دل جمعی ویکسوئی کے لئے پردے لٹکالے اور اس خلوت خانے میں دعاء و عبادت کا مشغلہ رکھے اور نمازوں کے اوقات میں اگر ضرورت ہو تو پردے اٹھالئے جائیں۔(مسلم مع شرح النووی:۱/۳۷۰)

معتکف کن امور کیلئے مسجد سے نکل سکتا ہے کن کیلئے نہیں؟

معتکف اذان کے لئے نکل سکتا ہے:

اذان دینے کی جگہ (مثلاً منارہ، حجرہ وغیرہ) اگر حدود مسجد کے اندر ہے تو معتکف کو

زکوٰۃ نہ دینے وال

حضرت انس بن مالک رضی اللہ
سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی
علیہ وسلم نے فرمایا ”زکوٰۃ نہ دینے
قیامت کے دن دوزخ میں جا
گا۔“ (طبرانی صغیر)

اس میں جا کر اذان دینا بلا کراہت جائز ہے، بلکہ اذان کے علاوہ کسی دوسرے مقصد سے وہاں جانا چاہے تو مضایقہ نہیں۔ اور اگر یہ جگہ مسجد سے باہر ہے، لیکن اس میں جانے کا دروازہ مسجد کے اندر ہے تو اس میں بھی اذان دینے یا کسی دوسرے مقصد سے جانا جائز ہے، مگر احتیاط اس میں ہے کہ اذان کے سوا کسی دوسرے کام کے لئے اس میں نہ جائے۔

اور اگر یہ منارہ، حجرہ وغیرہ حدود مسجد سے باہر ہے تو معتکف اس میں صرف اذان دینے کیلئے جاسکتا ہے اور ان تینوں صورتوں میں یہ معتکف موذن ہو (یعنی اذان دینا اس کی ذمہ داری ہو) یا غیر موذن، دونوں کا ایک ہی حکم ہے۔ (ردالمحتار:۲/۴۴۵)

حاجاتِ طبعیہ کے لئے نکلنا:

حاجاتِ طبعیہ کے لئے نکلنا درست ہے، جیسے پیشاب، پاخانہ اور غسل جنابت جبکہ حدود مسجد میں اس طور سے غسل کرنا ممکن نہ ہو کہ مستعمل پانی کا کوئی قطرہ مسجد میں گرنے نہ پائے۔ (ردالمحتار ۲/۴۴۵)

بلغم ڈالنے یا ناک صاف کرنے کے لئے مسجد سے نکلنا:

بلغم ڈالنے یا ناک صاف کرنے کے لئے مسجد سے نکلنا جائز نہیں، بوقت ضرورت اس مقصد کے لئے معتکف اگالدان مسجد میں رکھے یا مسجد میں ہی کھڑے ہو کر بلغم اور رینٹ باہر ڈال دے۔

وضو کے لئے مسجد سے باہر جانا:

اگر مسجد کے اندر بیٹھ کر وضوء کرنے کی ایسی جگہ ہو کہ پانی مسجد سے باہر گرے تو مسجد سے باہر جانا جائز نہیں، ورنہ جائز ہے۔ وضو خواہ فرض نماز کے لئے ہو یا نفل یا تلاوت یا ذکر کرنے کے لئے، سب کا یہی حکم ہے۔ (ہندیہ:۱/۲۱۳، احسن الفتاویٰ:۴/۵۰۰)

معتکف کا کھانا لانے کے لئے مسجد سے نکلنا:

گھر سے کوئی کھانا لانے والا نہ ہو تو ایسی مجبوری میں معتکف خود جا کر کھانا لاسکتا ہے، مگر وقت سے پہلے نکلنا جائز نہیں، اس لئے غروب آفتاب کے بعد جائز ہے اور یہ بھی ضروری ہے کہ کھانا لے کر فوراً واپس آجائے اور مسجد میں کھانا کھائے۔ (احسن الفتاویٰ:۴/۵۱۷)

حاجاتِ شرعیہ کی وجہ سے مسجد سے نکلنا:

حاجاتِ شرعیہ کے لئے نکلنا بھی جائز ہے، مثلاً کوئی ایسی مسجد میں اعتکاف بیٹھا ہے جس میں جمعہ نہیں ہوتا تو جمعہ کے لئے نکلنا جائز ہے اور اندازہ کرکے اذانِ ثانی سے اتنی دیر پہلے نکلے کہ جامع مسجد میں پہنچ کر دو رکعت تحیۃ الوضوء اور چار رکعت سنت اطمینان سے پڑھ کر اذانِ خطبہ سن سکے۔ اگر اندازہ کرنے میں غلطی لگ گئی اور اس سے پہلے پہنچ گیا تو بھی مضایقہ نہیں اور جمعہ کے فرضوں سے سلام پھیر کر اطمینان سے چھ رکعات سنت پڑھ کر اپنی مسجد میں واپس آجائے۔ اگر اس سے زیادہ وقت جامع مسجد میں ٹھہر گیا یا جمعہ کے بعد نکلا ہی نہیں اور اعتکاف کے بقیہ ایام جامع مسجد ہی میں بیٹھ کر پورے کر لئے تب بھی جائز ہے، مگر ایسا کرنا مکروہ ہے۔ یہ حکم شہر کا ہے۔ (ہندیہ:۱/۲۱۲)

گاؤں کی مسجد میں اعتکاف کرنے والوں کے لئے جمعہ کے لئے نکلنا:

معتکف اگر گاؤں کی مسجد میں بیٹھا ہے تو جمعہ کے لئے شہر میں آنا جائز نہیں، ورنہ اعتکاف فاسد ہوجائے گا۔ (فتاویٰ محمودیہ:۳/۱۷۵)

معتکف حاجتِ ضروریہ قریب سے پوری کرے:

کسی طبعی یا شرعی حاجت کے لئے نکلے تو حتی الامکان ایسی جگہ حاجت پوری کر کے لوٹے جو مسجد سے نزدیک ہو، مثلاً مسجد کے بیت الخلا اور غسل خانے نزدیک ہوں اور گھر کے دور، یا کسی کے دو گھر ہیں، ایک مسجد سے نزدیک ہے دوسرا مسجد سے دور، تو نزدیک جا کر ضرورت پوری کرے، البتہ نزدیک والی جگہ سے طبیعت مانوس نہ ہو یا اور کوئی رکاوٹ حائل ہو، خواہ طبعی خواہ شرعی، تو دور کی جگہ جانے میں کوئی حرج نہیں اور کسی حاجت کیلئے نکلنے کے بعد یہ بھی ضروری نہیں کہ تیز رفتاری سے چلے، بلکہ طبعی رفتار سے چلتے ہوئے اطمینان سے حاجت پوری کرے۔ (عالمگیریہ:۱/۲۱۳، ردالمحتار:۲/۴۴۵)

معتکف کا نمازِ جنازہ اور عیادت کے لئے نکلنا:

اعتکاف منذور کی نذر مانتے وقت نماز جنازہ، عیادت مریض اور مجلس علم میں حاضری کے لئے خروج کا استثنا صحیح ہے اور نکلنا جائز ہے، بشرطیکہ نذر کی طرح استثناء بھی زبان سے کیا ہو، صرف دل کی نیت کافی نہیں، مگر مسنون اعتکاف میں یہ نیت کی تو وہ نفل ہوجائے گا، سنت ادا نہ ہوگی، مسنون اعتکاف صرف وہی ہے جس میں کوئی استثناء نہ کیا ہو۔ اس میں نکلنا مفسد ہے، البتہ قضاء حاجت جیسی ضرورت کے لئے نکلنے پر دیکھا کہ راستہ ہی میں نماز جنازہ شروع ہورہی ہے تو اس میں شریک ہوسکتا ہے، نماز سے قبل انتظار اور نماز کے بعد وہاں ٹھہرنا جائز نہیں، اسی طرح قضاء حاجت کے لئے اپنے راستے پر چلتے چلتے عیادت کرسکتا ہے، عیادت اور نماز جنازہ کیلئے راستہ سے کسی جانب مڑنا اور ٹھہرنا جائز نہیں۔ (شامیہ:۲/۴۴۸)

بیت الخلاء خالی ہونے کے لئے انتظار کرنا:

معتکف اگر قضائے حاجت کے لئے نکلا لیکن بیت الخلاء خالی نہیں تھا تو اس کے لئے وہیں انتظار کرنا درست ہے، اس سے اعتکاف فاسد نہ ہوگا۔ (احسن الفتاویٰ:۴/۵۰۱)

معتکف اگر قضائے حاجت کے لئے نکلا تو غسل نہیں کرسکتا:

معتکف قضائے حاجت کے لئے نکلا تو غسل نہیں کرسکتا، اس سے اعتکاف فاسد ہوجائے گا، البتہ اگر غسل خانہ بیت الخلاء کے ساتھ ہی ہو اور نہانے میں وضوء سے زیادہ دیر نہ لگے تو قضائے حاجت کے بعد غسل کی اجازت ہے، اس کی صورت یہ ہوسکتی ہے کہ مسجد ہی میں کپڑے اتار کر صرف لنگی میں چلا جائے اور نل کھول کر بدن پر پانی بہا کر نکل آئے نہ صابن لگائے اور نہ زیادہ ملے، اس طرح صفائی تو نہیں ہوگی لیکن ٹھنڈک حاصل ہوجائے گی۔

معتکف کے لئے مکروہ امور

جو باتیں اعتکاف سے باہر حرام یا مکروہ ہیں جیسے گالم گلوچ، فضول گفتگو، غیبت وعیب جوئی، ریاکاری، کسی بدبودار چیز کا استعمال، دوران اعتکاف ان کی حرمت اور کراہت اور بڑھ جاتی ہے۔

تصویر والا اخبار یا رسالہ:

ایسا اخبار یا رسالہ دیکھنے میں مضایقہ نہیں جو جاندار کی تصویر سے پاک ہو اور اس کے مضامین بھی درست ہوں، لیکن اخبار کا کوئی صفحہ بھی عموماً تصاویر اور جھوٹی خبروں سے پاک نہیں ہوتا، اس لئے اسے مسجد میں لانا کراہت سے خالی نہیں، بالخصوص اگر معتکف دینی مقتدا ہے تو عوام اس کے عمل سے غلط استدلال کریں گے۔

مسجد میں اجرت پر تعلیم دینا:

معتکف کیلئے اجرت لیکر تعلیم دینا مکروہ ہے، خواہ دینی ہو یا دنیوی، اجرت پر کوئی اور عمل کرنا بھی مکروہ ہے۔ (ردالمحتار:۲/۴۴۸)

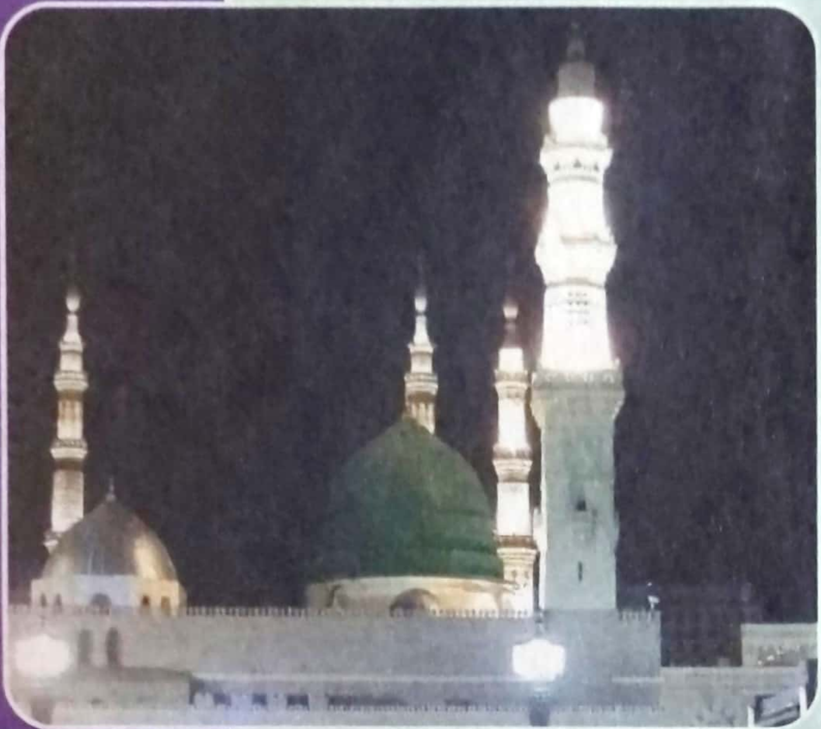
معتکف کا خاموش رہنا:

اسی طرح بالکل خاموشی اختیار کرلینا بھی مکروہ ہے جبکہ اسے فی نفسہ عبادت تصور کرے، اور اگر زبان کے گناہوں سے بچنے کے لئے خاموش رہے تو یہ اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے۔ (ردالمحتار:۲/۴۴۹)

مسجد میں سامان لاکر بیچنا:

سامان مسجد میں لاکر فروخت کرنا یا بلاضرورت صرف تجارت اور مال بڑھانے کے لئے خرید وفروخت کرنا مکروہ ہے، خواہ سامان مسجد نہ لائے۔ (ردالمحتار:۲/۴۴۸)

اعتکاف کن امور سے فاسد ہوتا ہے کن سے نہیں



معتکف کا جان بوجھ کر یا بھولے سے مسجد کی حدود سے نکلنا:

طبعی اور شرعی حاجات (جن کی تفصیل اوپر مباحات کے ذیل میں گزر چکی) کے سوا کسی بھی سبب سے مسجد سے باہر نکلنا اعتکاف کو توڑ دیتا ہے۔ یہ نکلنا خواہ لمحہ بھر کے لئے ہی ہو اور جان بوجھ کر ہو یا بھول کر، خوشی سے ہو یا مجبوری سے، البتہ مجبوری سے اعتکاف توڑا تو گناہ نہ ہوگا، مثلاً بیماری کے عذر سے نکلا۔

اگر مسجد گرنے لگی تھی اس لئے نکل گیا، یا جبراً نکال دیا گیا اور نکلتے ہی فوراً دوسری مسجد میں چلا گیا تو اعتکاف نہیں ٹوٹا۔ پیشاب پاخانہ کے لئے نکلا تھا مگر قرض خواہ نے پکڑ کر روک لیا، یا جنازہ کیلئے نکلا، یا اپنا سامان تلف ہونے کا اندیشہ تھا، اس لئے نکل گیا، یا اعتکاف یاد نہ رہا اور بھول کر نکل گیا، تو ان تمام صورتوں میں نکلنے پر کوئی گناہ نہیں، گو کہ اعتکاف ٹوٹ جائیگا۔

بعض صورتوں میں اعتکاف توڑ دینا واجب ہے، مثلاً کوئی انسان ڈوب رہا ہے یا جل رہا ہے، اسے بچانے کیلئے، یا جنازہ تیار ہے اور اس پر نماز پڑھانے والا کوئی نہیں، یا ایسی گواہی کے لئے نکلنا جو اس کے ذمہ واجب ہے اور اس کے بغیر کسی کا حق مارا جاتا ہو۔

(ردالمحتار:۲/۴۴۷،۴۴۸، ہندیہ:۱/۲۱۲،۲۱۳)

کھانے کے بعد ہاتھ دھونے کے لئے نکلنا:

معتکف کو کھانے کے بعد ہاتھ دھونے کے لئے نکلنا جائز نہیں، مسجد ہی میں کسی برتن میں دھو لے، منجن یا مسواک وغیرہ وضو کے ساتھ کر سکتا ہے، صرف منجن وغیرہ کے لئے نکلنا جائز نہیں، ان صورتوں میں بھی اعتکاف ٹوٹ جائے گا۔ وضو سے قبل یا بلا قصد وضو، وضو خانہ پر بیٹھ کر صابن سے ہاتھ دھونا بھی جائز نہیں، اسی طرح وضو کے بعد وضو خانہ پر کھڑے ہو کر رومال سے وضو کا پانی خشک کرنا بھی جائز نہیں۔ ان صورتوں میں بھی اعتکاف ٹوٹ جائے گا۔ جس طبعی یا شرعی ضرورت کیلئے نکلے، اس سے فارغ ہوتے ہی فوراً مسجد میں لوٹ آئے ورنہ اعتکاف ٹوٹ جائیگا۔ (بحر:۲/۳۰۲)

دن میں کھا پی لینا:

دن میں قصداً کھا پی لیا تو روزہ کے ساتھ اعتکاف بھی ٹوٹ جائے گا اور بھول کر کھانے پینے سے روزہ کی طرح اعتکاف بھی نہیں ٹوٹتا۔ (ہندیہ:۱/۲۱۳)

مرتد ہونا:

العیاذ باللہ کوئی مرتد ہو گیا تو اعتکاف باطل ہو جائے گا اور اس کی قضا بھی نہیں۔ (ردالمحتار:۲/۴۴۷)

مجنون یا بے ہوش ہونا:

بے ہوشی یا جنون اگر مسلسل اتنا وقت طاری رہے جس میں ایک روزہ قضاء ہو جائے تو اعتکاف ٹوٹ جائے گا، اس سے کم مقدار میں ہو تو نہیں ٹوٹے گا۔ (ردالمحتار:۲/۴۵۰)

احتلام ہو جانا:

احتلام ہونے سے اعتکاف نہیں ٹوٹتا، احتلام ہونے پر معتکف کو چاہئے کہ بیدار ہوتے ہی پہلے تیمم کر لے، پھر فوری مسجد سے نکل جائے، جسے احتلام کا اندیشہ ہو اس کے لئے بہتر ہے کہ پہلے سے اپنے ساتھ کوئی ڈھیلا وغیرہ رکھ لے، ورنہ مسجد کی زمین پر ہی تیمم کر لے۔ اگر کسی ضرر کا اندیشہ ہو یا پانی ملنے میں کچھ دیر ہو یا پانی گرم ہو رہا ہو تو اسی تیمم کے ساتھ مسجد میں بیٹھ کر انتظار کرے۔ (ردالمحتار:۲/۴۴۵)

اعتکاف ٹوٹنے پر حکم قضاء:

نفل اعتکاف کی قضاء واجب نہیں، اسلئے کہ وہ مسجد سے نکلنے سے ٹوٹتا نہیں بلکہ ختم ہو جاتا ہے، اعتکاف منذور معین یا غیر معین ٹوٹ جائے تو سب ایام کی قضاء واجب ہے، نئے سرے سے اتنے دن پورے کرے کیونکہ ان میں تتابع (مسلسل رکھنا) لازم ہے اور عشرہ اخیرہ رمضان کے مسنون اعتکاف میں صرف اس دن کی قضا واجب ہے جس میں اعتکاف ٹوٹا۔ فساد کے بعد یہ اعتکاف نفل ہو گیا، ایک دن کی قضا چاہے رمضان ہی میں کر لے یا رمضان کے بعد نفل روزہ کے ساتھ کرے۔ ایک دن کی قضاء میں رات دن دونوں کی قضاء واجب ہے یا صرف دن کی؟ قواعد سے یوں سمجھ میں آتا ہے کہ اعتکاف دن میں فاسد ہوا تو صرف دن کی قضا واجب ہوگی، صبح صادق سے قبل شروع کر کے غروب آفتاب تک کرے، اور اگر رات میں اعتکاف فاسد ہوا تو رات دن دونوں کی قضاء واجب ہے، غروب آفتاب سے قبل شروع کر کے دوسرے روز غروب کے بعد ختم کرے۔ (ردالمحتار:۲/۴۴۴،۴۵۱،۴۵۲)

جو خرچ کرنا ہے قیامت سے پہلے کرلو

ترجمہ: جو میرے خاص ایمان
والے بندے ہیں ان سے کہہ دیجئے
کہ وہ نماز قائم رکھیں اور ہمارے دیئے
ہوئے رزق سے خرچ کرتے رہیں
پوشیدہ طور سے بھی اور اعلانیہ
بھی، ایسے دن کے آنے سے پہلے
جس میں نہ خرید و فروخت ہوگی نہ دوستی
ہوگی۔ (سورۂ ابراہیم:۳۱)

لیلۃ القدر

ماہ مقدس کی راتوں میں سے ایک رات لیلۃ القدر کہلاتی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت پر رب ذوالجلال کی طرف سے ہونے والی خصوصی عنایات میں سے ایک عظیم عنایت ورحمت ہے۔ قرآن مجید میں اس رات کو ہزار مہینوں سے افضل قرار دیا گیا، ہزار مہینوں کے تراسی برس چار ماہ بنتے ہیں، جس خوش نصیب نے اس رات کو عبادت میں گزار دیا اس نے گویا تراسی برس چار ماہ سے زیادہ زمانہ عبادت میں گزارا۔ پہلی اُمتوں کی عُمریں سینکڑوں سال ہوتی تھیں، اگر کوئی اعمال صالحہ میں ان کی برابری کرنا بھی چاہے تو یہ اس کیلئے ممکن نہ تھا، مگر رب کائنات نے خیر الامم کو یہ مقدس شب ''شب قدر'' مرحمت فرما کر امم سابقہ کے ساتھ عبادت میں برابری بلکہ ان سے آگے بڑھ جانے کا سامان پیدا فرما دیا، اگر کسی خوش بخت کو زندگی بھر میں صرف دس راتیں ہی عبادت میں گزارنے کی توفیق نصیب ہو جائے تو گویا آٹھ سو تینتیس (۸۳۳) برس چار ماہ سے بھی زیادہ زمانہ کامل عبادت میں گزارنے کا ثواب حاصل ہو جائے۔ کیا کوئی ٹھکانہ ہے اس رحمت کا؟ پھر بھی اگر ہم اس رات کی اس عظیم فضیلت کو حاصل کرنے کی کوشش نہ کریں اور مہینہ بھر غفلت میں گزار دیں تو کسی کا کیا نقصان ہے؟ اپنی ہی بدنصیبی ومحرومی ہے۔ سال بھر دُنیوی منافع کے حصول میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی تگ ودو میں لگے رہتے ہیں، اگر یہ ایک ماہ دُنیوی جھمیلوں سے یکسو ہو کر اپنے رب کریم کو راضی کرنے اور اس کی عبادت میں گزار دیں تو کیا قیامت آجائے گی؟ معمولی سی مشقت اور اجر وثواب کا اتنا بڑا ذخیرہ۔

گناہوں کی معافی:

شب قدر کی اہمیت کیلئے قرآن کریم میں بیان کردہ مذکورہ فضیلت ہی کافی تھی، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمت کو اس کی قدر ومنزلت بتانے کیلئے متعدد ارشادات فرمائے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جو شخص لیلۃ القدر میں ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے (عبادت کیلئے) کھڑا ہو اس کے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔'' (بخاری)

تنبیہ:

حدیث بالا اور اس جیسی احادیث جن میں کسی عمل صالح سے گناہوں کی معافی کا ذکر آتا ہے، ان میں گناہوں سے مراد صغیرہ گناہ ہوتے ہیں، اس لئے کہ قرآن کریم میں کبیرہ گناہوں کی معافی کو توبہ کے ساتھ مقید کیا ہے، اس لئے علما کا اجماع ہے کہ کبیرہ گناہ توبہ کے بغیر معاف نہیں ہوتے، اس لئے لیلۃ القدر کی عبادت ہو یا اور کوئی نیک عمل، اس کے فضائل پڑھ سن کر بے دریغ گناہ کرتے جانا اور معافی کی اُمید رکھنا جہالت ہے، کبیرہ گناہوں سے توبہ کا اہتمام لازم ہے، توبہ کے باوجود اس لغزش وخطا کے پتلے سے صغائر کا صدور ہوتا ہی رہتا ہے، شب قدر کی عبادت اور دوسرے اعمال صالحہ سے ان صغائر کی معافی بھی بہت بڑا انعام ہے۔

''نزاع واختلاف'' تعیین لیلۃ القدر کے اُٹھ جانے کا سبب:

حضرت عبادۃ بن الصامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے تاکہ ہمیں لیلۃ القدر کے بارے میں خبر دیں مگر دو مسلمان آپس میں جھگڑ رہے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اس لئے آیا تھا تاکہ تمہیں شب قدر کی خبر دوں، مگر فلاں فلاں شخصوں میں جھگڑا ہو رہا تھا، جس کی وجہ سے اس کی تعیین اُٹھالی گئی، کیا بعید ہے کہ یہ اُٹھا لینا اللہ تعالیٰ کے علم میں بہتر ہو، اب اس رات کو نویں، ساتویں اور پانچویں رات میں تلاش کرو۔ (بخاری)

دوسری روایات کے پیش نظر یہ تین راتیں آخری عشرہ کی ہیں۔ اگر آخری عشرہ اول سے شمار کیا جائے تو ۲۹، ۲۷ اور ۲۵ بنتی ہیں اور آخر سے شمار کیا جائے اور چاند ۲۹ کا ہو تو ۲۱، ۲۳ اور ۲۵ بنتی ہیں اور ۳۰ کے چاند کی صورت میں ۲۲، ۲۴ اور ۲۶ بنتی ہیں۔

آپس کا اختلاف اور بغض وعناد اس قدر بُری چیز ہے کہ اس کی وجہ سے شب قدر کی تعیین ہمیشہ کیلئے اُٹھالی گئی، اختلاف ونزاع ہمیشہ برکات سے محرومی کا سبب ہوتا ہے۔ (شرح مسلم: ۱/ ۳۷۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عام مسلمانوں کی آبروریزی کو بدترین وخبیث ترین سود قرار دیا ہے۔ وہ لوگ جو ہر وقت دوسروں کا وقار گھٹانے کی فکر میں رہتے ہیں اور دوسرے کے حق میں اتہام والزام تک کا بے دریغ ارتکاب کرتے رہتے ہیں، ذرا چند لمحوں کیلئے تنہائی میں بیٹھ کر اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات کی روشنی میں غور کریں کہ وہ اپنے وقار کو کس قدر صدمہ پہنچا رہے ہیں اور اپنی ان ناپاک اور کمینہ حرکتوں سے اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں کتنے ذلیل ہو رہے ہیں؟

اُمت مسلمہ خصوصاً دینی وجہادی جماعتوں کو سنجیدگی سے اپنے طرزِ عمل پر غور کرنا چاہئے اور آپس کی تمام رنجشوں کو ختم کر کے متفق ومتحد ہو کر اپنے کام کو منظم کرنا چاہئے، ورنہ ''وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَ تَذْهَبَ رِيْحُكُمْ'' کے پیش نظر اختلاف وانتشار کی صورت میں کامیابی کی راہ دور تو ہو سکتی ہے، نزدیک ہونے کا کوئی امکان نہیں۔

لیلۃ القدر اور آخری عشرہ:

اگرچہ لیلۃ القدر کی حتمی تعیین کا علم اُٹھالیا گیا، مگر احتمال کے درجہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری عشرہ کی طاق راتیں عبادت میں گزارنے کا حکم دیا ہے۔ (بخاری، حدیث نمبر ۲۲۵)

جمہور علما کے نزدیک رمضان خواہ ۲۹ کا ہو یا ۳۰ کا آخری عشرہ اکیسویں رات سے شروع ہوتا ہے، اس حساب سے حدیث بالا کے مطابق شب قدر کی فضیلت حاصل کرنے کیلئے ۲۱، ۲۳، ۲۵، ۲۷، ۲۹ کی رات کو عبادت کا خوب اہتمام



کرنا چاہئے۔ جبکہ بعض علماء کے نزدیک اگر رمضان ۲۹ کا ہو تو آخری عشرہ بیسویں شب سے شروع ہوگا، اس حساب سے طاق راتیں، ۲۰، ۲۲، ۲۴، ۲۶، ۲۸ ہوں گی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ القدر ہی کی فضیلت پانے کیلئے رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف فرمایا کرتے تھے۔

(مسلم: ۱/

وہ چونکہ بالاتفاق اکیسویں شب سے شروع ہوتا تھا، اس لئے بھی جمہور کا قول زیادہ راجح ہے۔ تاہم دونوں اقوال پر لیلۃ القدر کا حصول جب ہی ممکن ہے کہ بیسویں شب سے لے کر عید کی رات تک ہر رات میں عبادت کا اہتمام کیا جائے، تراسی سال چار ماہ سے زیادہ زمانہ کی عبادت کا ثواب حاصل کرنے کیلئے دس گیارہ راتیں عبادت کرنا کوئی ایسی مشکل چیز نہیں۔

عرفی اگر بگریہ میسر شدے وصال
صد سال میتواں بہ تمنا گریستن

لیلۃ القدر کا علم مرتفع ہونے کی مصلحتیں:

لیلۃ القدر کوئی معین رات نہیں، بعض کا قول ہے کہ پورے سال میں کوئی رات ہے۔ بعض کا قول ہے کہ پورے رمضان میں کوئی رات ہے، بعض نے کہا کہ آخری عشرے میں، پھر اس کی بھی طاق راتوں میں زیادہ احتمال ہے جس کی تائید حدیث بالا سے بھی ہوتی ہے۔ لیلۃ القدر کا علم مرتفع ہونے کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا بعید ہے کہ یہ تمہارے لئے بہتر ہو۔'' اس کی پوری مصلحتیں تو اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہیں، تاہم علماء کرام نے چند مصلحتیں تحریر فرمائی ہیں:

۱۔ غفلت سے بچانا:

اگر معلوم ہو جاتا کہ فلاں رات لیلۃ القدر ہے تو اس رات میں تو عبادت کرتے اور دوسری راتوں میں سوتے رہتے، علم نہ ہونے کی صورت میں ہر رات کے بارے میں امکان ہے کہ یہی لیلۃ القدر ہو، اسلئے ہوشیار رہو، ہر وقت ہوشیار ر

ہو۔

۲۔ سخت عذاب سے بچانا:

اگر پتا چل جاتا کہ فلاں رات ہے تو بہت سے لوگ اس میں بھی گناہ نہ چھوڑتے، اور نہیں تو کم از کم ڈاڑھی تو منڈا ہی لیتے یا کٹوا لیتے۔ شرعی پردہ سے بغاوت، غیبت کرنا، ٹخنے ڈھانکنا وغیرہ، بے شمار گناہ جنہیں آج کا مسلمان گناہ ہی نہیں سمجھتا، سب کچھ کرتا رہتا، لیلۃ القدر جیسی مقدس رات میں بھی اللہ تعالیٰ کی بغاوتوں اور نافرمانیوں سے باز نہ آتا تو اس پر عذاب بہت سخت ہوتا، اس لئے یہ بھی اللہ کی رحمت ہے کہ لیلۃ القدر کا علم واپس لے کر بندوں کو سخت عذاب سے بچالیا۔

۳۔ افسردگی سے بچانا:

اگر کسی شخص سے وہ رات کسی عذر سے یا اتفاقاً چھوٹ جاتی تو افسردگی کی وجہ سے آئندہ راتوں میں سے کسی رات بھی عبادت نصیب نہ ہوتی، تعیین نہ ہونے کی وجہ سے کئی راتوں کی عبادت نصیب ہو جاتی ہے۔

۴۔ زیادہ اجر دینا:

جتنی راتیں لیلۃ القدر کی طلب میں خرچ ہوتی ہیں ان کا مستقل ثواب علیحدہ ملے گا۔



اپنی پسندیدہ چیز
راہ خدا میں خرچ کرو

ترجمہ: اے مسلمانو! تم نیکی ک
حاصل نہ کرسکو گے، یہاں تک کہ اس
چیز کو خرچ نہ کرو جو تم کو محبوب ہو۔
(سورۂ آل عمران: ۹۲)

چند غلط فہمیوں کا ازالہ

گناہوں سے اجتناب نہ کرنا:

بہت سے لوگ خاص مواقع پر عبادت کا خوب اہتمام کرتے ہیں، مگر گناہوں سے بچنے بچانے کا اہتمام نہیں کرتے، بلکہ آج کل کے مسلمان نے بہت سے کبائر کو گناہوں کی فہرست ہی سے نکال دیا ہے، مثلاً:

۱۔ مردوں کا ڈاڑھی منڈانا یا ایک مشت سے کم کرنا۔

۲۔ عورتوں کا غیر محارم قریبی رشتہ داروں دیور، جیٹھ، چچازاد، پھوپھی زاد، ماموں زاد، خالہ زاد، نندوئی، بہنوئی وغیرہ سے پردہ نہ کرنا۔

۳۔ ٹی وی، وی سی آر دیکھنا۔

۴۔ گانا باجا سننا۔

۵۔ بلاضرورت تصویر کھنچوانا، دیکھنا، رکھنا۔

۶۔ بینک، انشورنس وغیرہ حرام ذرائع آمدن اختیار کرنا اور ایسے لوگوں کے ہاں دعوتیں کھانا اور تحائف قبول کرنا۔

۷۔ مردوں کا ٹخنے ڈھانکنا۔

۸۔ غیبت کرنا، سننا۔

جب تک ان کبائر سے بچنے بچانے کا اہتمام نہ کیا جائے نفل عبادت خواہ کتنی بھی زیادہ کی جائے، نجات کیلئے کافی نہیں، اگر گناہوں سے بچنے بچانے کا اہتمام ہو اور زیادہ نفل عبادت کرنے کا موقع نہ بھی ملے، فرائض و واجبات پر عمل کر لیا جائے تو ان شاء اللہ نجات ہو جائے گی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اتق المحارم تكن أعبد الناس"

یعنی اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ افعال و اعمال سے بچو، سب سے بڑے عبادت گزار بن جاؤ گے۔

قرآن کریم میں ہے:

"إنما يتقبل الله من المتقين"

یعنی اللہ تعالیٰ گناہوں سے بچنے والوں کے اعمال ہی قبول فرماتے ہیں۔

بعض معاصی سے اعمال صالحہ ضائع ہو جاتے ہیں بلکہ بعض اوقات کفر تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔

اس لئے جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس شخص کیلئے تباہی و بربادی کی بددعا فرمائی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر آمین کہا، جس نے رمضان کا مبارک مہینہ پایا، پھر بھی اس کی مغفرت نہ ہوئی۔

جو شخص ایسے مبارک لمحات میں بھی گناہوں میں مست ہو وہ تباہی و بربادی ہی کا مستحق ہے۔ اس کی مغفرت کیلئے اس خیر و برکت والے مقدس مہینے سے زیادہ مقدس اور کون سا وقت ہوگا؟

نفل عبادت کرنے میں غلطیاں:

(۱) بعض لوگ پوری رات نفل نماز پڑھنے ہی کو ضروری سمجھتے ہیں، اور بعض تو اس سے بڑھ کر بعض مخصوص سورتوں کے ساتھ خاص انداز سے نماز پڑھنا ضروری خیال کرتے ہیں، اس رات میں کسی خاص قسم کی عبادت کی تعیین نہیں، نفل نماز پڑھیں، تلاوت کریں، درود شریف پڑھیں، ذکر اللہ کریں، دعاء مانگیں یا قلب کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کر کے اس کے احسانات، انعامات، عظمت شان کو سوچ سوچ کر اس کی محبت دلوں میں اتارنے اور بڑھانے کی کوشش کریں۔ یہ سب عبادت میں داخل ہے۔

(۲) عموماً لوگ نفل پڑھنے کیلئے مساجد میں جانے کا اہتمام کرتے ہیں، جبکہ ہر قسم کی نفل عبادت کا ثواب مسجد کی بجائے گھر میں زیادہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اپنے گھروں میں نماز پڑھا کرو اور انہیں قبریں مت بناؤ" (بخاری و مسلم)

مطلب یہ ہے کہ جیسے قبرستان میں خاموشی ہوتی ہے، اس طرح گھروں کو ویران نہ بناؤ، بلکہ ذکر و عبادت سے آباد رکھا کرو۔ اس لئے گھر کی خواتین کو بھی عبادت کی ترغیب دے کر عبادت کا ماحول بنانا چاہئے اور مردوں کو نفل عبادت مسجد کی بجائے گھر میں کرنی چاہئے۔

(۳) بعض جگہوں میں مساجد میں جمع ہو کر نوافل کی جماعت کرتے ہیں، نفل کی جماعت بہت بڑی بدعت اور گناہ ہے۔ (ردالمحتار: ۱/ ۵۵۲، ۲/ ۴۸)

(٤) بہت سے لوگ طبیعت پر جبر کر کے چائے پی پی کر، لونگ چبا چبا کر جاگنے کی تدبیریں کرتے ہیں، جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بعض لوگوں کی فجر کی نماز قضاء ہو جاتی ہے یا جماعت چھوٹ جاتی ہے یا نماز میں اونگھتے رہتے ہیں۔ یہ بہت بڑی غلطی ہے کہ نفل کی خاطر فرض یا واجب کو چھوڑ دیا جائے یا اس میں کوتاہی کی جائے۔ عبادت وہی مقصود و قابل قبول ہے جو رغبت و شوق سے ہو۔ انشراح صدر سے جتنی دیر عبادت کر سکیں کریں، جب تھکاوٹ ہو جائے یا نیند کا غلبہ ہو اور دلجمعی نہ رہے، جس سے زبان سے کچھ کا کچھ نکلنے کا اندیشہ ہو تو سو جائیں، خصوصاً فجر کی نماز یا جماعت میں ہرگز کوتاہی نہ کریں۔

اصل چیز یہ ہے کہ دل میں اللہ کی محبت پیدا کرنے کی کوشش کریں، محبت پیدا ہو جائے تو ایک نہیں، ہزاروں راتیں عبادت میں گزاری جا سکتی ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا کرنے کیلئے کسی عالم باعمل شیخ کامل کی صحبت اختیار کر کے ان سے اصلاحی تعلق قائم کیا جائے۔ واللہ الموفق وھو المعین

روزہ توڑنے پر وعید:

جو شخص (قصداً) بلا کسی شرعی عذ[ر] کے ایک دن بھی رمضان کا روزہ افطا[ر] کر دے، غیر رمضان میں چاہے عُم[ر] بھر روزے رکھے اس کا بدل نہیں ہو سکتے۔

(ترمذی، ابوداود، احمد، ابن ماجہ)

الرشید ٹرسٹ

کے ساتھ تعاون کی چند متعین صورتیں

تعمیر مساجد

ایک مسجد: 2لاکھ، 5لاکھ، 10لاکھ روپے

تعاون دینی مدارس

ایک مدرسہ کا ماہانہ خرچ: 2 تا 6 لاکھ روپے

فراہمی آب

ایک کنواں: 25 تا 50 ہزار روپے

ایک ٹیوب ویل: ڈھائی تا 5 لاکھ

الرشید کلینکس

فی کلینک ماہانہ خرچہ: 30 تا 50 ہزار روپے

الرشید ایمبولینس سروس

Hiex (ایمبولینس گاڑی): 5 لاکھ روپے

سوزوکی بولان ایمبولینس گاڑی: 4 لاکھ 15 ہزار روپے

ایک ایمبولینس سینٹر کے ماہانہ اخراجات: 25 ہزار روپے

فری میڈیکل کیمپ سروس

ایک روزہ کیمپ کے اخراجات 30 تا 40 ہزار روپے

مکاتب الرشید

ایک مکتب کا ماہانہ خرچ: 5000 روپے

پکی پکائی روٹی پراجیکٹ

ایک خاندان کا ماہانہ خرچ: 6 سو روپے

عطیات بھیجنے والوں کے نام الرشید ٹرسٹ کا انتہائی اہم پیغام

ایک اہم مسئلہ

ٹرسٹ کو ملنے والی رقوم بڑی بھاری امانت ہے، جنہیں مستحقین تک پہنچانا اور اگر کسی نے علاقہ یا مد مختص کر دی ہو تو اسے دینے والے کی شرط کے مطابق صرف کرنا فرض ہے، امانت ہے چاہے ایک پیسہ ہی کیوں نہ ہو۔

عطیات دینے والوں کو خصوصیت سے تاکید کی جاتی ہے کہ وہ بجز ان خاص مواقع کے جن کا اعلان ٹرسٹ نے عمومی اشتہار میں کیا ہے یا وقتاً فوقتاً خصوصی اشتہار میں کیا جاتا ہے، کسی مخصوص علاقہ یا مخصوص مستحق اور مصرف کی تعیین شرط کے طور پر نہ کریں۔ ہاں! بطور مشورہ کے حرج نہیں۔ ان شاء اللہ! ٹرسٹ مشورہ کے مطابق صَرف کرنے کی پوری کوشش کرے گا، تاہم بسا اوقات مہاجرین، مساکین اور مستحقین ہی کی ایسی اچانک ضرورت پیش آ جاتی ہے جو مخصوص علاقہ یا مَصرف سے کہیں زیادہ اہم، اشد اور فوری ہوتی ہے۔ ظاہر ہے اس صورت میں ثواب بھی کہیں زیادہ ہوگا، مگر مشروط عطیہ دینے والے اُجر کے اس غنیمت موقع سے محروم ہو جاتے ہیں۔ ٹرسٹ ایسے وقت میں رقوم کو آگے پیچھے کرنے کی بجائے مستحقین کی شدید ضرورت اور اصرار کے باوجود انکار کر دیتا ہے، اس لئے کہ شرعاً دینے والے کی شرط کی رعایت لازم ہے۔

لمحۂ فکریہ!

عطیات دینے والے اس پر بھی غور کریں کہ وہ جہاں عطیہ دے رہے ہیں انہیں ان کی دیانت پر اعتماد ہے یا نہیں اگر ہے تو مشروط عطیہ پر اصرار کی کوئی وجہ نہیں اور اگر اعتماد نہیں تو عطیہ دینا ہی صحیح نہیں، کیونکہ اپنے عطیہ کو شک یا خطرہ میں ڈالنا جائز نہیں۔

مخصوص علاقے یا مخصوص مصرف میں یہ قباحت بھی ہے کہ اکاؤنٹس کے شعبے میں بے شمار فائلیں کھولنے کی دقت کے علاوہ بسا اوقات مشروط علاقے تک پہنچانے کے مصارف اصل رقم سے بھی زیادہ آ جاتے ہیں ایسی صورت میں رقم واپس کرنا صَرف کرنے کی بنسبت زیادہ آسان ہے۔ عطیہ دینے والا اسے حوصلہ شکنی سمجھتا ہے لیکن یاد رکھیں! اس حوصلہ شکنی سے کہیں زیادہ خطرناک یہ ہے کہ ٹرسٹ آپ کی رقم آپ کی شرط کے مطابق خرچ نہ کر سکے۔

زکوٰۃ وعشر کے مسائل



شرائط وجوبِ زکوٰۃ

ایک غلط دستور کی اصلاح:

سوال: عموماً لوگ زیادہ ثواب حاصل کرنے کی حرص میں زکوٰۃ صرف رمضان ہی میں اداء کرتے ہیں اور بعض لوگ رجب کو زکوٰۃ کا مہینہ سمجھتے ہیں اور اسی میں زکوٰۃ نکالتے ہیں، اگرچہ مال زکوٰۃ پر سال رجب یا رمضان سے پہلے گذر چکا ہو، کیا ایسا کرنا صحیح ہے؟ (عبداللہ۔ کراچی)

جواب: جس اسلامی مہینہ کی جس تاریخ کو کوئی شخص صاحب نصاب ہو اوہ تاریخ یاد رکھنا فرض ہے، ایک سال گزرنے کے بعد اسی ماہ کی اسی تاریخ کو زکوٰۃ واجب ہوگی، اس لئے اسی تاریخ کو زکوٰۃ کا حساب لگانا فرض ہے ورنہ لاکھوں روپے ذمہ میں واجب رہ سکتے ہیں۔ مثلاً ایک شخص پر یکم جمادی الثانیہ یا یکم شعبان کو زکوٰۃ فرض ہوگئی تھی، یکم جمادی الثانیہ یا یکم شعبان کو اس کے پاس کل مال زکوٰۃ دس لاکھ مالیت کے برابر تھا، جمادی الثانیہ یا شعبان میں تجارت میں خسارہ ہوا یا آدھا مال خرچ ہوگیا اور یکم رجب یا یکم رمضان کو صرف پانچ لاکھ سرمایہ رہ گیا، ظاہر ہے یہ شخص اگر رمضان یا رجب میں زکوٰۃ کا حساب لگائے گا تو صرف پانچ لاکھ کی زکوٰۃ کا حساب لگائے گا جبکہ اس پر دس لاکھ کی زکوٰۃ اداء کرنا فرض ہے۔ اس لئے یہ جو دستور ہوگیا ہے کہ زکوٰۃ کا حساب صرف رمضان یا رجب میں کرتے ہیں بالکل غلط ہے، اس کی اصلاح ضروری ہے۔ البتہ اگر کوئی شخص حساب تو اپنے وقت پر لگا لیتا ہے مگر اداء کرنے کے لئے رمضان کا انتظار کرتا ہے تو اگرچہ مذکورہ بالا قباحت سے بچ جاتا ہے مگر اس میں بھی یہ خرابی ضرور ہے کہ اداء فرض میں بلا عذر تاخیر کرنے میں اندیشہ ہے کہ موت کا پیغام آجائے اور وہ فرض ذمہ میں باقی رہ جائے، بسا اوقات وصیت کرنے کا موقع بھی نہیں ملتا یا موقع ملنے کے باوجود اس میں عموماً غفلت ہوتی ہے، بلکہ وصیت کئے باوجود بسا اوقات ورثہ زکوٰۃ اداء نہیں کرتے، ایسی صورت میں موت کے بعد بھی اس فرض کا اداء ہونا ممکن نہیں ہوتا، اس لئے جب زکوٰۃ فرض ہوجائے تو اسے جلد از جلد اداء کرنے کی کوشش کرنی چاہئے، اس میں تاخیر کرنا صحیح نہیں۔

فی شرح شرعة الإسلام: "یعین صاحب المال لزکوته شهرا لایجاوزه لما فیه من التأخیر، ومن أخر الزکوة بعد وجوبها علیه من غیر عذر یأثم." (ص:١٥٨)

زکوٰۃ کس پر فرض ہے؟

سوال: کسی کے پاس سونا ساڑھے سات تولے اور چاندی ساڑھے باون تولے سے کم ہو تو اس پر زکوٰۃ فرض ہے یا نہیں؟ (عمیر۔ کراچی)

جواب: سونے کا نصاب ساڑھے سات تولہ 87.479 گرام اس شخص کیلئے ہے جسکے پاس صرف سونا ہو، چاندی، مال تجارت اور نقدی میں سے ذرا سی مقدار بھی نہ ہو۔ اسی طرح چاندی کا نصاب ساڑھے باون تولہ 612.35 گرام اس صورت میں ہے کہ صرف چاندی ہو، سونا، مال تجارت اور نقدی بالکل نہ ہو۔ اگر سونے یا چاندی کے ساتھ کوئی دوسرا مال زکوٰۃ بھی ہے مثلاً مال تجارت ہے خواہ ایک روپے کی مالیت کا ہو یا نقدی ہے خواہ چار آنے ہی ہو تو سب اموال زکوٰۃ کی قیمت لگائی جائے گی۔ اگر سب کی مالیت 612.35 گرام چاندی کی قیمت کے برابر یا زائد ہو تو زکوٰۃ فرض ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ سونا ساڑھے سات تولہ 87.479 گرام، چاندی ساڑھے باون تولہ 612.35 گرام، مال تجارت یا نقدی یا ان چاروں اشیاء یا ان میں سے بعض کا مجموعہ چاندی کے وزن مذکور کی قیمت کے برابر کسی شخص کے پاس ہو تو وہ صاحب نصاب ہے اور اس پر زکوٰۃ فرض ہے۔

عموماً جن خواتین کے پاس سونے چاندی کا زیور مذکور وزن سے کم ہوتا ہے وہ اس کی زکوٰۃ اداء نہیں کرتیں، حالانکہ عموماً ان کے پاس کچھ نہ کچھ نقدی ضرور ہوتی ہے، جس کی وجہ سے مذکور تفصیل کے مطابق ان پر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے، ہاں اگر کسی خاتون کے پاس صرف سونا یا صرف چاندی کا زیور ہو جو وزن مذکور سے کم ہو اور نقدی یا مال تجارت بالکل نہ ہو تو اس پر زکوٰۃ فرض نہیں۔

"إذا کان له الصنفان جمیعاً فإن لم یکن کل واحد منهما نصابا بأن کان له عشرة مثاقیل ومائة درهم، فإنه یضم أحدهما إلی الآخر فی حق تکمیل النصاب." (بدائع: ٢/ ٤١١)

زکوٰۃ کن اموال پر فرض ہے؟

سوال: زکوٰۃ کس قسم کے اموال پر فرض ہوتی ہے؟ ٹریکٹر اور ٹیوب ویل جو کاشتکاری کے لئے استعمال ہوتے ہوں ان کی مالیت پر زکوٰۃ فرض ہے یا نہیں؟ (فیصل حیات۔ فیصل آباد)

جواب: زکوٰۃ چار قسم کے اموال پر فرض ہوتی ہے:

١) سونا...... ٢) چاندی...... ٣) نقدی...... ٤) مال تجارت۔

یعنی وہ چیز جو مبادلہ یا قرض میں ملی ہو اور ملتے وقت فروخت کرنے کی نیت ہو اور یہ نیت تا حال باقی ہو۔

ان چار قسم کے اموال کے سوا کسی مال پر زکوٰۃ فرض نہیں۔ لہٰذا کارخانوں کا منجمد اثاثہ (مشینری وغیرہ) ٹریکٹر، ٹیوب ویل، استعمال کی گاڑی، کرایہ پر چلانے کی نیت سے خریدی گئی گاڑی، رہنے یا کرایہ پر دینے کے لئے مکان، اپنے ذاتی استعمال (مکان، دکان، نرسری وغیرہ بنانے) کی نیت سے خریدے گئے پلاٹ، فریج اور دوسرے گھریلو استعمال کے سامان پر زکوٰۃ فرض نہیں۔

اس قاعدہ کو یاد رکھا جائے تو اس سلسلے میں کبھی پریشانی نہ ہو۔ بس یہ دیکھ لیا جائے کہ یہ چیز مذکورہ بالا چار قسم کے اموال میں سے کسی قسم میں داخل ہے یا نہیں؟ اگر داخل ہے تو اس پر زکوٰۃ فرض ہے، ورنہ نہیں۔

تنبیہ: مذکورہ چار قسم کے اموال کے علاوہ جانوروں میں بھی زکوٰۃ فرض ہوتی ہے، جس کا نصاب اور زکوٰۃ کی مقدار کا ضابطہ الگ ہے۔

فی الهندیة: "ومنها (شرائط وجوب الزکاة) کون النصاب نامیا حقیقةً أو تقدیراً، وینقسم کل منها إلی خلقی وفعلی، فالخلقی الذهب والفضة فتجب الزکوة فیهما نوی التجارة أو لم ینو أصلا، والفعلی ما سواه ویکون الاستنماء فیه بنیة التجارة أو الإسامة، ونیة التجارة والإسامة لا تعتبر ما لم تتصل بفعل التجارة أو الإسامة......" (١/ ١٧٤)

مالِ تجارت کی تعریف:

مال تجارت سے مراد وہ چیز ہے جس میں مال کا مال کے ساتھ مبادلہ ہوا ہو اور اس میں تجارت کی نیت کی گئی ہو، خواہ کوئی چیز تجارت کی نیت سے خریدی جائے یا کوئی چیز اجرت میں وصول کرتے وقت تجارت کی نیت کی جائے یا کوئی چیز مثلاً گندم قرض لیتے وقت تجارت کی نیت کی جائے اور یہی نیت تا حال باقی ہو۔ لہٰذا مندرجہ ذیل صورتوں میں سے کوئی صورت ہو تو وہ مال تجارت نہ ہوگا اور اس پر زکوٰۃ فرض نہ ہوگی۔

١) بوقتِ مبادلہ تجارت کی نیت نہ تھی، بعد میں اگرچہ تجارت کی نیت کرلی ہو۔

٢) بوقتِ مبادلہ تجارت کی نیت تھی مگر بعد میں تجارت کی نیت نہیں رہی یا اس میں تسلسل نہیں رہا، مثلاً درمیان میں یہ نیت کرلی کہ اس چیز کو فروخت نہیں کرے گا مگر بعد میں پھر فروخت کرنے کی نیت ہوگئی۔

البتہ اگر مال تجارت کو ویسے گھریلو یا کسی اور استعمال میں لایا لیکن تجارت کی نیت باقی ہو تو یہ مال تجارت ہوگا اور اس میں زکوٰۃ لازم ہوگی۔

٣) مبادلہ یا قرض کی بجائے کسی دوسرے ذریعہ مثلاً ہبہ، تحفہ، میراث وغیرہ سے کوئی چیز ملی، اگرچہ ان ذرائع سے ملنے والی چیز کو وصول کرتے وقت تجارت کی نیت ہو۔

"لایبقی للتجارة ما اشتراه لها فنوی بعد ذلک خدمته ثم ما نواه للخدمة لا یصیر للتجارة وإن نواه لها ما لم یبعه بجنس ما فیه الزکاة، والتجارة عمل فلا یتم بمجرد النیة، وما اشتراه للتجارة کان لها، لمقارنته النیة لعقد التجارة لا ما ورثه ونواه لها إلا إذا تصرف فیه ناویا فتجب الزکاة، لاقتران النیة بالعمل." (التنویر مع

شرحه: ۲/ ۲۷۲، ۲۷۳)

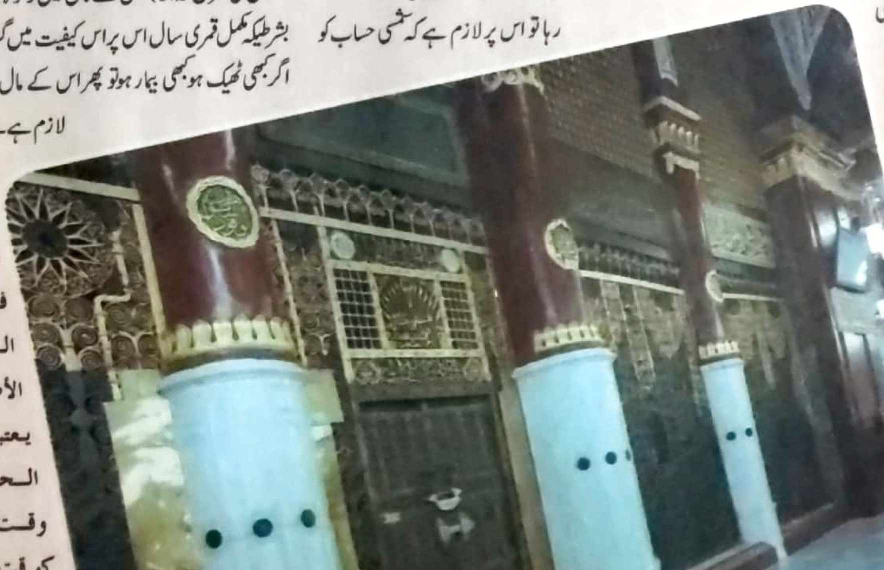
وفي الحاشية: "في الخانية: عبد التجارة إذا أراد أن يستخدمه سنتين فاستخدمه فهو للتجارة على حاله إلا أن ينوي أن يخرجه من التجارة ويجعله للخدمة."(شامية: ۲/ ۲۷۲)

في الدر: لا ماورثه ونواه لها...... وما ملكه بصنعة كهبة أو وصية أو نكاح ونواه لها كان لها عند الثاني، والأصح أنه لا يكون لها، عن البدائع. وفي أول الأشباه: ولو قارنت النية ما ليس بدل مال بمال لا تصح على الصحيح."(۲/ ۲۷۳)

وفيه:"شرط مقارنتها لعقد التجارة، وهو كسب المال بالمال بعقد شراء أو إجارة أو استقراض."

نصابِ زکوٰۃ پر سال گذرنے کا مطلب:

سوال: میں شوال کی پہلی تاریخ کو زکوٰۃ نکالتا ہوں، اگر رمضان کے آخر میں کچھ رقم آجائے تو کیا اس پر بھی زکوٰۃ فرض ہے؟ (شبیر۔لاہور)



جواب: آپ قمری ماہ کی جس تاریخ کو صاحب نصاب ہوئے تھے، ہمیشہ وہی تاریخ آپ کی زکوٰۃ کے حساب کے لئے متعین رہے گی، اس تاریخ میں آپ کے پاس سونا، چاندی، مال تجارت اور نقدی جو کچھ بھی ہو خواہ ایک ہی روز قبل ملا ہو، سب پر زکوٰۃ فرض ہوگی، زکوٰۃ کا حساب ہمیشہ اسی تاریخ میں کرنا فرض ہے، البتہ اگر درمیان میں مذکورہ چاروں اشیاء میں سے کسی بھی چیز کی تھوڑی سی مقدار بھی نہ رہی، سب چیزیں بالکل ختم ہوگئیں تو اب جس تاریخ میں آپ دوبارہ صاحب نصاب ہوں گے وہ متعین ہوگی۔

اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ صاحب نصاب بننے کی تاریخ کا یاد رکھنا لازم ہے۔ اگر غفلت سے وہ تاریخ یاد رکھنے کا اہتمام نہیں کیا یا بھول گئے تو غور وفکر کے بعد جس تاریخ کا ظن غالب ہو وہ متعین ہوگی، اگر کسی تاریخ کا بھی ظن غالب نہ ہو تو خود کوئی قمری تاریخ متعین کرلی جائے، بہتر ہے کہ رمضان کی کوئی تاریخ ہو اور آئندہ ہمیشہ اسی میں حساب کیا جائے اور ان دونوں صورتوں میں احتیاطاً کچھ زیادہ اداء کرلیں تو بہتر ہے، تاکہ تاریخ آگے پیچھے ہونے کی وجہ سے جو فرق ہوگیا ہو وہ فرق بھی پورا ہوجائے۔

"ومنها حولان الحول على المال، والعبرة في الزكاة للحول القمري، وإذا كان النصاب كاملا في طرفي الحول فنقصانه فيما بين ذلك لا يسقط الزكاة، ومن كان له نصاب فاستفاد أثناء الحول مالا عن جنسه ضم إلى ماله وزكاه سواء كان المستفاد من نمائه أولا، وبأي وجه استفاد ضمه، سواء كان بميراث أو هبة أو غير ذلك."(هندية: ۱/ ۱۷۵)

شمسی تاریخ سے قمری تاریخ کی طرف تبدیلی کس طرح ہو:

اگر کوئی شخص شمسی تاریخ کے مطابق زکوٰۃ اداء کرتا رہا تو اس پر لازم ہے کہ شمسی حساب کو چھوڑ کر کسی قمری تاریخ کو زکوٰۃ نکالنے کے لئے مقرر کرے اور آئندہ اس کے مطابق زکوٰۃ اداء کرتا رہے۔ لیکن گزشتہ جن سالوں میں شمسی تاریخ کے حساب سے زکوٰۃ دی ہے اس میں شمسی وقمری سال کے درمیان چند دنوں کا فرق معلوم کر کے اس کی مزید زکوٰۃ اداء کرے۔ (فقہی مقالات: ۳/ ۱۷۰)

نابالغ کے مال پر زکوٰۃ نہیں:

سوال: اگر نابالغ کو میراث یا ہبہ میں بقدر نصاب مال ملا تو اس کے مال میں سے زکوٰۃ اداء کرنا فرض ہے یا نہیں؟ (فرحان۔کراچی)

جواب: نابالغ کے مال میں زکوٰۃ فرض نہیں، کیونکہ وہ مکلف نہیں۔

فليس الزكاة على صبي ومجنون، إذا وجد منه الجنون في السنة كلها، هكذا في الجوهرة النيرة."(هندية: ۱/ ۱۷۳)

مجنون اور معتوہ پر زکوٰۃ واجب ہونے میں تفصیل:

جو شخص مکمل طور پر مسلوب العقل اور پاگل ہو اس کے مال میں زکوٰۃ لازم نہیں، إلا یہ کہ وہ ٹھیک ہوجائے اور ٹھیک ہونے کی حالت میں اس پر مکمل سال (قمری مہینوں کے حساب سے) گزر جائے تو پھر اس سال کی زکوٰۃ لازم ہے۔

جو شخص کبھی مسلوب العقل ہو، کبھی درست یا معتوہ (ناقص العقل ہو جس کے اقوال و افعال، حرکات و سکنات، بات کرنے اور سمجھنے کی صلاحیت ایک عقلمند انسان کی طرح نہ ہو) اس کے مال میں زکوٰۃ لازم نہیں، بشرطیکہ مکمل قمری سال اس پر اس کیفیت میں گزر جائے، اگر کبھی ٹھیک ہو کبھی بیمار ہو تو پھر اس کے مال میں زکوٰۃ لازم ہے۔

"ولا خلاف في أنه في المجنون الأصلي يعتبر ابتداء الحول من وقت افاقته كوقت بلوغه، أما العارض فإن استوعب كل الحول فكذلك في ظاهر الرواية وهو قول محمد ورواية عن الثاني وهو الأصح وإن لم يستوعبه لغا ...... ولم يذكرا المعتوه هنا والظاهر أنه على هذا التفصيل وأنه لا تجب عليه في حال العته...... إلا إذا لم يستوعب الحول، لأن الجنون يلغو معه فالعته أولى."

(ردالمحتار: ۲/ ۲۵۸)

چار چیزیں

حضرت عمارہ بن حزم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (علاوہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر ایمان لانے کے) اللہ تعالیٰ نے اسلام میں چار چیزیں اور فرض کی ہیں پس جو شخص ان میں سے تین کو ادا کرے تو وہ اس کو (پورا) کام نہ دیں گی جب تک سب کو ادا نہ کرے نماز، زکوٰۃ اور رمضان کے روزے اور بیت اللہ شریف کا حج۔ (احمد)

نقدی اور مال تجارت میں زکوٰۃ کی تفصیل

زکوٰۃ میں کس مقام کی قیمت معتبر ہوگی؟

سوال: ادائیگی زکوٰۃ میں مال زکوٰۃ کی قیمت اس جگہ کی معتبر ہوگی جہاں زکوٰۃ اداء کرنے والا ہے یا اس مقام کی معتبر ہوگی جہاں مال موجود ہو؟ حولان حول (سال گذرنا) کہاں کا معتبر ہوگا؟ (عبدالحفیظ۔سکھر)

جواب: جہاں مال موجود ہو وہاں کی قیمت معتبر ہوگی، حولان حول بھی وہیں کا معتبر ہوگا۔

"ویقومها المالک فی البلد الذی فیه المال، حتی لو بعث عبد اللتجارة إلی بلد آخر فحال الحول تعتبر قیمته فی ذلک البلد، ولو کان مفازة تعتبر قیمته فی أقرب الأمصار إلیه، کذا فی فتح القدیر." (هندیة: ۱/۱۸۰)

زکوٰۃ میں کس وقت کی قیمت معتبر ہوگی؟

سوال: مال زکوٰۃ میں کس وقت کی قیمت معتبر ہوگی، جس وقت زکوٰۃ واجب ہوئی یا جس وقت زکوٰۃ اداء کی جارہی ہے؟ (ابراہیم۔سوات)

جواب: سونے یا چاندی کی زکوٰۃ اور عشر میں وقت وجوب یعنی جس وقت زکوٰۃ واجب ہوئی اس وقت کی قیمت معتبر ہے، البتہ جانوروں کی زکوٰۃ میں ادائیگی کے وقت کی قیمت کا اعتبار ہے۔

"وتعتبر القیمة عند حولان الحول بعد أن تکون قیمتها فی ابتداء الحول مائتی درهم من الدراهم الغالب علیها الفضة، کذا فی المضمرات." (هندیة: ۱/۱۷۹)

"وجاز دفع القیمة فی زکاة وعشر وفطرة و نذر، وتعتبر لقیمة یوم الوجوب وقالا یوم الأداء، وفی السوائم یوم الأداء إجماعا." (شامیة: ۲/۲۸۲)

زکوٰۃ میں قیمت فروخت لگائی جائے گی:

سوال: تجارت کے سامان کی زکوٰۃ خریدے ہوئے حساب سے اداء کی جائے گی یا جس نرخ سے فروخت کرے اس حساب سے؟ (حنیف۔ملتان)

جواب: قیمت فروخت لگائی جائے گی، یعنی زکوٰۃ واجب ہونے کے دن سامان کی جو قیمت مارکیٹ میں ہو اس کے حساب سے زکوٰۃ اداء کی جائے گی، اگرچہ ادائیگی کے وقت اس کی قیمت کم وبیش ہوگئی ہو۔

"واللازم فی مضروب کل منهما (الذهب والفضة) ومعموله ولو فی عرض تجارة قیمته نصاب...... ربع عشر." (در مختار: ۲/۲۰۸)

"وقال تعتبر قیمته یوم الوجوب وقالا یوم الأداء." (حوالة بالا: ۲/۲۸٦)

قرض وصول ہونے کی امید نہ ہو تو اس پر زکوٰۃ نہیں:

سوال: زید کا لوگوں پر قرض ہے، تقریباً تین سال سے مقروض لوگ صرف وعدے کرتے ہیں کہ ہم قرض اداء کریں گے لیکن اب تک کسی نے کچھ بھی اداء نہیں کیا، قرضداروں کی ظاہری حالت سے معلوم ہوتا ہے کہ قرض اداء نہیں کریں گے، ایسی صورت میں اس رقم کی زکوٰۃ زید پر واجب ہے یا نہیں؟ (گل شہزاد۔ ہری پور، ہزارہ)

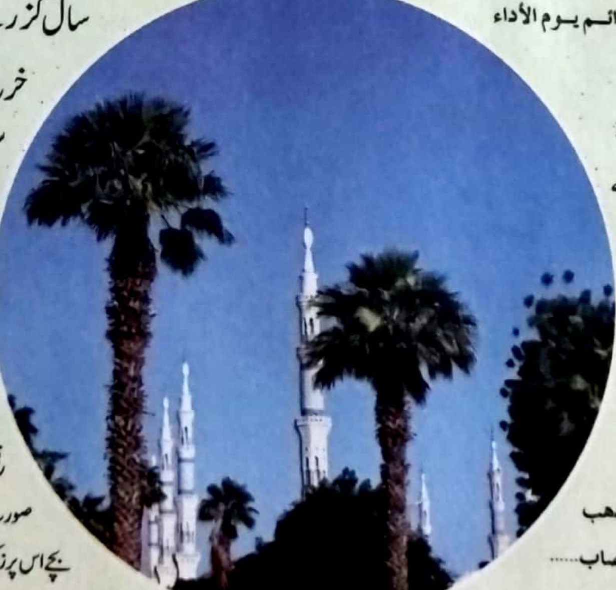
جواب: جو قرض وصول ہونے کی امید نہ ہو اس پر زکوٰۃ فرض نہیں، اگر ایسا قرض وصول ہوجائے تو گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ بھی فرض نہ ہوگی، وصول ہونے کے بعد نئے حساب ونصاب کے ساتھ سال پورا ہونے پر زکوٰۃ لازم ہوگی، البتہ اگر کوئی ادائیگی کا وعدہ کرتا ہے اور پھر وہ تنگدستی کی وجہ سے ادائیگی نہیں کرپاتا اور اس کے حال سے ظاہر یہ ہو کہ وہ نیک نیتی سے کہہ رہا ہے اور استطاعت ہونے پر قرض اداء کردے گا تو اس صورت میں اس قرض پر زکوٰۃ لازم ہے۔

"لأنه فی حکم مال الضمار، وقال فی الشامیة: "لو کان له دین علی وال وهو مقر به إلا أنه لا یعطیه، وقد طالبه بباب الخلیفة فلم یعطه فلا زکاة فیه." (شامیة: ۲/۲٦٦)

وقال فیها: "ولو کان الدین علی مقر ملیء أو معسر...... فوصل إلی ملکه لزم زکاة ما مضی." (۲/۲٦۷)

"ولا (زکاة) فی مال مفقود و مغصوب لا بینة علیه ودین حجده المدیون سنین ثم أقر بعدها عند قوم وما أخذ مصادرةً ثم وصل إلیه (أی المال فی جمیع هذه الصور. حاشیة) بعد سنین، لعدم النمو، والأصل فیه حدیث علی رضی الله تعالی عنه: "لا زکاة فی مال الضمار وهو مالا یمکن الانتفاع به مع بقاء الملک." (در مختار: ۲/۲٦۹)

سال گزرنے سے پہلے کچھ رقم مصارف حج میں خرچ ہوگئی:



سوال: ایک شخص ہر سال یکم رمضان کو زکوٰۃ نکالتا ہے، اس سال اس کی حج پر جانے کی نیت ہے، لہٰذا اس نے حج پر جانے کے لئے پیشگی رقم جمع کرادی ہے، روانگی شعبان میں متوقع ہے، دریافت طلب یہ ہے کہ جو رقم جمع کی گئی ہے اس کی زکوٰۃ نکالنا فرض ہے یا نہیں؟ (محمد انور۔ لاہور)

جواب: آمد ورفت کا کرایہ اور معلم کی فیس وغیرہ کیلئے جو رقم دی گئی ہے اس پر زکوٰۃ نہیں، اس سے زائد رقم جو کرنسی کی صورت میں اسکو واپس ملے گی اس میں سے یکم رمضان تک جو رقم بچے اس پر زکوٰۃ فرض ہے، جو خرچ ہوگئی اس پر نہیں۔

"إذا أمسکه لینفق منه کل ما یحتاجه فحال الحول وقد بقی معه نصاب، فإنه یزکی ذلک الباقی وإن کان قصده الإنفاق منه أیضا فی المستقبل، لعدم استحقاق صرفه إلی حوائجه الأصلیة وقت حولان الحول." (شامیة: ۲/۲٦٦)

وجوب زکوٰۃ کی تاریخ آنے کے بعد مقروض ہوگیا:

اگر کوئی شخص اتنا مقروض ہوجائے کہ قرض منہا کرنے کے بعد باقی مال بقدر نصاب نہ ہو اور وہ قرض

بھی فوری طور پر واجب الاداء ہو تو اس پر زکوٰۃ لازم نہیں، لیکن یہ حکم اس وقت ہے جب زکوٰۃ واجب ہونے سے پہلے مقروض ہو جائے، اگر سال پورا ہو گیا اور زکوٰۃ لازم ہو گئی لیکن اب تک ادا نہیں کی کہ مقروض ہو گیا تو اس پر زکوٰۃ دینا لازم ہے۔

"وهذا إذا كان الدين في ذمته قبل وجوب الزكاة، فلو لحقه بعده لم تسقط الزكوة لأنها ثبتت في ذمته فلا يسقطها ما لحق من الدين بعد ثبوتها، جوهرة." (رد المحتار: ٢/ ٢٦٠)

گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ اداء کرنے کا طریقہ:

سوال: ایک شخص نے دو تین سال کی زکوٰۃ اداء نہیں کی، اب وہ گزشتہ تین سالوں میں سے دوسرے اور تیسرے سال کل سرمایہ کی زکوٰۃ اداء کرے گا یا پہلے سال کی زکوٰۃ نکالنے کے بعد باقی سرمایہ کی زکوٰۃ اداء کرے گا؟ (حماد۔ کراچی)

جواب: پہلے سال کی زکوٰۃ اداء کرنے کے بعد جو سرمایہ باقی بچا ہے دوسرے سال صرف اس کی زکوٰۃ اداء کرے، پھر اس کے بعد جو سرمایہ باقی ہے تیسرے سال اس کی زکوٰۃ دے۔ یعنی ہر سال زکوٰۃ میں دی گئی رقم منہا کر کے باقی سرمایہ کی زکوٰۃ اداء کرے بشرطیکہ ہر پہلے سال کی زکوٰۃ منہا کرنے کے بعد دوسرے سال کی رقم بقدرِ نصاب بچ جاتی ہو۔

"فلو كان له نصاب حال عليه حولان ولم يزكه فيهما لا زكاة عليه في الحول الثاني وكذا لو استهلك النصاب بعد الحول ثم استفاد نصابا آخر وحال عليه الحول لا زكاة في المستفاد لاشتغال خمسة منه بدين المستهلك أما لو هلك يزكي المستفاد لسقوط زكاة الأول بالهلاك بحر، والمطالب هنا (عند عدم أداء الزكاة) السلطان تقديراً، لأن الطلب له في زكاة السوائم وكذا في غيرها." (شامية: ٢/ ٢٦٠)

حوائج اصلیہ کیلئے رکھی ہوئی نقدی پر زکوٰۃ فرض ہے:

سوال: ایک شخص کے پاس کئی ہزار روپے جمع ہیں اس پر سال گذر چکا ہے مگر اس کے پاس نہ مکان ہے اور نہ ہی گھریلو سامان، ابھی شادی بھی نہیں کی، انہی ضروریات کے لئے پیسے جمع کر رہا ہے، اس پر زکوٰۃ فرض ہے یا نہیں؟
(حماد۔ راولپنڈی)

جواب: اس پر زکوٰۃ فرض ہے، البتہ اگر سال پورا ہونے سے قبل تعمیر مکان کا سامان یا گھریلو استعمال کی اشیاء وغیرہ خرید لیں اور بقیہ رقم بقدر نصاب نہ ہو تو زکوٰۃ فرض نہ ہوگی۔

"ويخالفه ما في المعراج في فصل زكوة العروض: أن الزكاة تجب في النقد كيفما أمسكه، للنماء أو للنفقة، كذا في البدائع في بحث النماء التقديري." (شامية: ٢/ ٢٦٢)

زکوٰۃ گاڑی کی مالیت پر ہے یا آمدن پر؟

سوال: ایک شخص نے تیس لاکھ روپے کی گاڑی خریدی جس کی سالانہ آمدن تقریباً تین لاکھ روپے ہے پوچھنا یہ ہے کہ زکوٰۃ گاڑی کی کل قیمت پر فرض ہے یا صرف آمدن پر؟ (فتح محمد توحیدی۔ سریاب، کوئٹہ)

جواب: گاڑی یا مشینری وغیرہ جو فروخت کرنے کی نیت سے نہ خریدی ہو اس کی قیمت پر زکوٰۃ نہیں بلکہ آمدن پر ہے، اگر یہ شخص پہلے سے صاحب نصاب ہے تو صاحب نصاب بننے کی قمری تاریخ کے دن ہر سال سونا، چاندی، نقدی اور مال تجارت کے مجموعہ کا چالیسواں حصہ یعنی اڑھائی فیصد زکوٰۃ فرض ہے۔ ہر چیز کا الگ حساب کرنے کی ضرورت نہیں۔

"ولو اشترى جوالق ليوا جرها من الناس فلا زكاة فيها لأنه اشتراها للغلة لا للمبايعة، كذا في محيط السرخسي." (هندية: ١/ ١٨٠)

تجارت کی نیت سے کوئی چیز خریدی لیکن اب تک قبضہ نہیں ہوا:

مال تجارت میں اس وقت زکوٰۃ فرض ہے جب خریدار کے قبضہ اور ملکیت میں آجائے، صرف خریدنے سے زکوٰۃ لازم نہیں ہوتی، اگر چہ اس پر سال گزر جائے۔ نیز ایسے مالِ تجارت کی زکوٰۃ فروخت کنندہ پر بھی نہیں کیونکہ یہ مال اس کی ملک نہیں رہا اور زکوٰۃ کے وجوب کے لئے مال کا مملوک ہونا شرط ہے۔

"قلت: وخرج أيضا نحو المال المفقود والساقط في بئر ومغصوب لا بينة عليه فلا زكاة عليه إذا عاد إليه كما سيأتي، لأنه وإن كان مملوكا له رقبة لكن لا يد عليه كما أفاده في البدائع، وخرج به أيضا كما في البحر المال المشترىٰ للتجارة قبل القبض والآبق المعد للتجارة." (رد المحتار: ٢/ ٢٦٠)

سال گزرنے کے بعد مال کا کچھ حصہ صدقہ کر دیا:

کسی کے پاس بقدرِ نصاب مال زکوٰۃ موجود تھا اور اس پر سال گزر گیا، اس کے بعد اس نے مال کا کچھ حصہ مثلاً آدھا یا تہائی حصہ صدقہ کیا تو جتنا حصہ صدقہ کیا ہے اس کی زکوٰۃ ساقط نہیں بلکہ اس کی بھی اور جتنا حصہ باقی ہے اس کی بھی سب کی زکوٰۃ دینا لازم ہے، ہاں اگر پورا نصاب صدقہ کیا تو پھر اس میں زکوٰۃ بھی اداء ہو گئی اگر چہ دیتے وقت زکوٰۃ کی نیت نہ کی ہو، دوبارہ ادائیگی کی ضرورت نہیں۔

في الدر: "ولو تصدق ببعضه لا تسقط حصته عند الثاني، خلافا للثالث۔" وفي الحاشية: قوله خلافا للثالث: أشار بذلك تبعا لمتن الملتقى إلى اعتماد قول أبي يوسف ولذا قدمه قاضيخان وقد أخره في الهداية مع دليله، وعادته تأخير المختار عنده على عكس عادة قاضيخان۔" (رد المحتار مع الدر: ٢/ ٢٧٠)

تجارتی پلاٹ پر زکوٰۃ فرض ہے

سوال: ایک شخص پلاٹ خرید لیتا ہے، کچھ مدت اپنے قبضے میں رکھ کر گراں دام ملنے پر بیچ دیتا ہے، اگر اسکے پاس کئی پلاٹ ہوں جنکی قیمت مقدار نصاب کو پہنچ جاتی ہو تو ان پلاٹوں کی قیمت پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟ (منصور۔ بورے والا)

جواب: یہ مال تجارت ہے لہٰذا اس پر زکوٰۃ فرض ہے۔ جو چیز بھی بیچنے کی نیت سے خریدی جائے اور یہ نیت تا حال باقی ہو، وہ مال تجارت میں داخل ہے۔

"الزكاة واجبة في عروض التجارة كائنة ما كانت إذا بلغت قيمتها نصابا من الورق والذهب كذا في الهداية." (هندية: ١/ ١٧٩)

مال کا طوق

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہو پھر وہ اس کی زکوٰۃ ادا نہ کرے، قیامت کے روز وہ مال ایک گنجے سانپ کی شکل بنا دیا جائے گا جس کی دونوں آنکھوں کے اوپر دو نقطے ہوں گے (ایسا سانپ بہت زہریلا ہوتا ہے) اور اس کے گلے میں طوق (یعنی ہنسلی) کی طرح ڈال دیا جائے گا اور اس کی دونوں باچھیں پکڑے گا اور کہے گا کہ میں تیرا مال ہوں، میں تیری جمع ہوں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس کی تصدیق میں) یہ آیت پڑھی "ولا يحسبن الذين يبخلون" (الآیۃ) اس آیت میں مال کے طوق بنائے جانے کا ذکر ہے۔" (بخاری ونسائی)

زکوٰۃ کی ادائیگی

زکوٰۃ وعشر کو الگ کرتے وقت نیت کافی ہے، دیتے وقت ضروری نہیں:

زکوٰۃ کی ادائیگی کیلئے نیت زکوٰۃ ہونا ضروری ہے اگر زکوٰۃ کی رقم جدا کرتے وقت نیت کرلی جائے تو بھی کافی ہے۔ اگرچہ دیتے وقت نیت نہ ہو، ہاں دیتے وقت زکوٰۃ کے علاوہ کسی دوسری چیز کی نیت کرے مثلاً قرض وغیرہ تو پھر زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔

"واما شرط أدائها فنية مقارنة للأداء أولعزل ما وجب، هكذا في الكنز." (هندية: ۱/ ۱۷۰)

البتہ اگر زکوٰۃ کی رقم علیحدہ نہیں کی گئی اور ویسے نیت کرلی کہ جو میں دوں گا وہ میری طرف سے زکوٰۃ ہوگی تو یہ کافی نہیں، ایسی صورت میں دیتے وقت نیتِ زکوٰۃ ضروری ہے ورنہ زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔

"ولو قال ما تصدقت إلى آخر السنة فقد نويت عن الزكاة لم يجز كذا في السراجية."

(هندية: ۱/ ۱۷۱)

قبل الوقت زکوٰۃ کی ادائیگی:

زکوٰۃ فرض ہونے سے پہلے ادائیگی سے آیندہ واجب الأداء زکوٰۃ سے ذمہ فارغ ہوسکتا ہے لیکن اس میں تین شرائط ہیں:

۱۔ قبل الوقت زکوٰۃ ادا کرتے وقت ادا کرنے والا صاحبِ نصاب ہو، اگر ادا کرتے وقت صاحبِ نصاب نہ ہو، بعد میں صاحبِ نصاب بن گیا ہو تو دوبارہ زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہے۔

۲۔ جس نصاب کی زکوٰۃ دی ہے یہ نصاب مکمل یا اس کا کچھ حصہ آخر سال تک باقی ہو، اگر درمیان میں یہ نصاب بالکل ختم ہوگیا ہو حتی کہ ایک روپیہ بھی نہ بچا ہو، اس کے بعد دوبارہ نیا نصاب حاصل کیا تو اس نئے نصاب کی مستقل زکوٰۃ دینا لازم ہے۔

۳۔ جس سال کی ابتداء میں زکوٰۃ دی ہے اس سال کی انتہاء میں مال کا نصاب مکمل ہو، اگر آخری تاریخ میں نصاب پورا نہ ہو تو آیندہ سال کے نصاب سے یہ زکوٰۃ اداء شمار نہ ہوگی بلکہ اس کے لئے مستقل زکوٰۃ دینا لازم ہے۔

لیکن قبل الوقت زکوٰۃ کی ادائیگی افضل نہیں ہے، اس لئے بہتر یہ ہے کہ سال گزرنے کے بعد زکوٰۃ اداء کی جائے۔

في الشامية قوله ولو عجل ذو نصاب: قيد بكونه نصابا، لأنه لو ملك اقل منه فعجل خمسة عن مائتين ثم تم الحول على مائتين لا يجوز. وفيه شرطان آخران: أن لا ينقطع النصاب في أثناء الحول، فلو عجل خمسة عن مائتين جاز ماعجل بخلاف مالو هلك الكل، وأن يكون النصاب كاملا في آخر الحول." (شامية: ۲/ ۲۹۳)

وفيها: "قال في البحر: ولا يخفى أن الأفضل عدم التعجيل لاختلاف فيه عند العلماء ولم أره منقولا." (۲/ ۲۹۳)

زکوٰۃ کی ادائیگی میں بلاعذر تاخیر مکروہ تحریمی ہے:

جب سال گزر جائے اور زکوٰۃ فرض ہوجائے تو اس کی فوری ادائیگی واجب ہے، اس میں تاخیر کرنا مکروہِ تحریمی اور گناہ ہے، اس سے اجتناب لازم ہے۔

في الشامية: قال في الفتح: فتكون الزكاة فريضة وفوريتها واجبة، فيلزم بتأخيره من غير ضرورة الإثم، كما صرح به الكرخي والحاكم الشهيد في المنتقى، وهو عين ما ذكره الإمام ابو جعفر عن أبي حنيفة أنه يكره، فإن كراهة التحريم هي المحمل عند إطلاق اسمها، فقد ثبت عن أئمتنا الثلاثة وجوب فوريتها." (۲/ ۲۷۲)

زکوٰۃ کی بعض خاص صورتیں

بینک کی کمائی اور دوسرے حرام اموال میں زکوٰۃ لازم نہیں:

اگر کسی کے پاس بقدرِ نصاب مال موجود ہے لیکن وہ مال حرام ہے، غصب، چوری، سود یا جوا کی رقم ہے تو اس میں زکوٰۃ لازم نہیں، بلکہ یہ ساری رقم مالک کو، اگر مالک مرگیا ہو یا معلوم نہ ہو یا اس تک پہنچنا ممکن نہ ہو تو اس کے وارثوں تک پہنچانا لازم ہے۔ اگر ان میں سے کوئی بھی نہ مل سکے تو بغیر نیتِ ثواب کے فقراء کو دینا لازم ہے۔ اسی طرح بیمہ کی رقم پر ملنے والا منافع بھی واجب التصدق ہے اور اس میں زکوٰۃ نہیں، البتہ اصل جمع شدہ رقم میں زکوٰۃ لازم ہے۔

في الشامية: "في القنية: لو كان الخبيث نصابا لايلزم الزكاة، لأن الكل واجب التصدق عليه فلا يفيد إيجاب التصدق ببعضه ومثله في البزازيه."

وقال: "إن المغصوب إن علمت أصحابه أوورثتهم وجب رده عليهم وإلا وجب التصدق به. (۲/ ۲۹۱)

نیوتہ کی رقم میں زکوٰۃ کا حکم:

نیوتہ کی رقم بعض جگہوں میں بطورِ قرض دی جاتی ہے، بعض جگہوں میں حقیقۃً ہبہ ہوتا ہے، لیکن قواعد سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں دینے والے پر زکوٰۃ لازم نہیں، وصول ہونے کے بعد سال گزرنے پر حسبِ ضابطہ اگر قابلِ زکوٰۃ ہے تو زکوٰۃ لازم ہوگی۔

في البدائع: "وكذا الدية على العاقلة ملك ولي القتيل فيها متزلزل، بدليل أنه لومات واحد من العاقلة سقط ما عليه فلم يكن ملكا مطلقا ووجوب الزكوة وظيفة الملك المطلق." (۲/ ۳۹۱)

"وكذا لو وهب لرجل ألفا ثم رجع في الهبة بعد الحول بقضاء أوبغير قضاء واسترد الألف لا زكاة على واحد منهما." (هندية: ۱/ ۱۸۲)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ دیت میں مقتول کے اولیاء کی ملک متزلزل ہے، اس لئے اس میں زکوٰۃ لازم نہیں۔

نیوتہ کی رقم بھی ایسی ہی ہے جس میں ملک (اگر قرض کی صورت ہو تو بھی) متزلزل ہے کیونکہ یہ رقم خاص اسی قسم کے رشتہ پر واپس کی جائے گی اور معطین کے ہاں اس قسم کے رشتہ کا ہونا نہ ہونا

یقینی نہیں، دونوں احتمالات ہیں۔

کمپنی کے شیئرز پر زکوٰۃ کا حکم:

کمپنیوں کے شیئرز بھی مالِ تجارت میں داخل ہیں اور ان کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ کمپنی کے شیئرز کمپنی کا منافع (Dividend) حاصل کرنے کے لئے خریدے جائیں، اس کی زکوٰۃ کا حکم یہ ہے کہ جس کمپنی کے شیئرز ہوں اس کمپنی کے جامد اثاثوں مثلاً بلڈنگ، مشینری، کاروں وغیرہ اور نقد اثاثوں، سامانِ تجارت، خام مال کا تناسب معلوم کیا جائے، یہ تناسب متعلقہ کمپنی ہی سے معلوم ہو سکتا ہے، اس کے بعد جتنے فیصد جامد اثاثے ہیں ان کے تناسب سے شیئرز کی رقم منہا کر کے باقی کی زکوٰۃ اداء کی جائے، مثلاً شیئر کی قیمت 60 روپے ہے، کمپنی کے جامد اثاثے 40 فیصد اور نقد، خام مال، سامانِ تجارت 60 فیصد ہے تو اس صورت میں شیئرز کی پوری قیمت 60 روپے کی بجائے 36 روپے کی زکوٰۃ اداء کرنا لازم ہے، البتہ اگر اثاثوں کی تفصیل معلوم نہ ہو سکے تو اس صورت میں احتیاطاً ان شیئرز کی پوری بازاری قیمت پر زکوٰۃ اداء کی جائے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ کمپنی کے شیئرز ''کیپیٹل گین'' کے لئے خریدے جائیں کہ جب بازار میں ان کی قیمت بڑھ جائے گی تو فروخت کئے جائیں گے، اس صورت میں پورے شیئرز کی پوری بازاری قیمت پر زکوٰۃ واجب ہوگی، لہٰذا جس دن زکوٰۃ اداء کرنا ہو تو اس دن ان شیئرز کی جو قیمت ہوگی (بازاری قیمت) اس پوری قیمت کی زکوٰۃ اداء کرنا لازم ہے۔

(فقہی مقالات: ۳/ ۱۵۲، ۱۵۳)

کمپنی کا شیئرز کی زکوٰۃ کاٹنا:

جب کمپنی شیئرز پر سالانہ منافع تقسیم کرتی ہے اس وقت وہ زکوٰۃ کاٹ لیتی ہے، لیکن عموماً کمپنی ان شیئرز کی فیس ویلیو کی بنیاد پر زکوٰۃ کاٹتی ہے، حالانکہ شرعاً ان شیئرز کی مارکیٹ قیمت پر زکوٰۃ لازم ہے، لہٰذا فیس ویلیو پر جو زکوٰۃ کاٹ لی گئی ہے وہ تو اداء ہو گئی، البتہ فیس ویلیو اور مارکیٹ ویلیو کے درمیان جو فرق ہے اس کی زکوٰۃ شیئرز کے مالک پر اداء کرنا لازم ہے۔

کارخانہ کی کن اشیاء پر زکوٰۃ لازم ہے:

اگر کوئی شخص فیکٹری کا مالک ہے تو اس فیکٹری میں جو تیار شدہ مال ہے اسکی قیمت پر زکوٰۃ واجب ہے، اسی طرح جو مال تیاری کے مختلف مراحل میں ہے یا خام مال کی شکل میں ہے اس پر بھی زکوٰۃ واجب ہے، البتہ فیکٹری کی مشینری، بلڈنگ، گاڑیوں وغیرہ جامد اثاثوں پر زکوٰۃ واجب نہیں۔

اسی طرح اگر کسی شخص نے کسی کاروبار میں شرکت کے لئے روپیہ لگایا ہوا ہے اور اس کاروبار کا کوئی متناسب حصہ اس کی ملکیت ہے تو جتنا حصہ اس کی ملکیت ہے اس حصے کی بازاری قیمت کے حساب سے زکوٰۃ واجب ہوگی۔

(فقہی مقالات: ۳/ ۱۵٤)

پگڑی کی رقم پر زکوٰۃ کا حکم:

آج کل مروجہ پگڑی لینا دینا چونکہ جائز نہیں ہے، شرعاً مالک مکان پر لازم ہے کہ وہ یہ رقم کرایہ دار کو واپس کر دے، اگر وہ یا اس کا کوئی وارث نہ ہو تو بلا نیتِ ثواب ساری رقم فقراء کو دے، جب اس کی شرعی حقیقت یہی ہے تو اس کی زکوٰۃ کرایہ دار پر تو لازم نہیں کیونکہ مالک مکان اسے یہ رقم واپس نہیں کرتا، لہٰذا یہ دین مجحود (جس کا مقروض نے انکار کر دیا ہو) کے حکم میں ہے یا مرہون کے حکم میں ہے جس پر زکوٰۃ لازم نہیں۔ اسی طرح مالک مکان پر بھی اس کی زکوٰۃ لازم نہیں بلکہ اس پر لازم ہے کہ پگڑی کی ساری رقم مالک یا اس کے ورثہ کو لوٹا دے، یہ ممکن نہ ہو تو فقراء کو بلا نیتِ ثواب دے۔

"لأنه لا زكاة فى دين لا يرجى حصوله ولا فى المال الخبيث ولا فى المرهون."

تجارتی اشیاء کو کرایہ پر دینے کی صورت میں زکوٰۃ کا حکم:

تجارتی گاڑی، پلاٹ وغیرہ اگر کرایہ پر دیا جائے اور اس میں تجارت کی نیت بھی باقی ہو اور کرایہ نقدی کی صورت میں وصول کیا جائے تو اس میں بہر حال زکوٰۃ لازم ہے۔ اگر کرایہ کسی اثاثے کی صورت میں وصول کیا جائے مثلاً کپڑا، اناج وغیرہ تو اس میں جب تک تجارت کی نیت نہ کی جائے اس وقت تک اس میں زکوٰۃ لازم نہیں۔

فى الشامية:" لكن ذكر فى البدائع الاختلاف فى بدل منافع عين معدة للتجارة، ففى كتاب زكاة الأصل أنه للتجارة بلا نية وفى الجامع ما يدل على التوقف على النية، وصحح مشايخ بلخ رواية الجامع، لأن العين وإن كانت للتجارة لكن قد يقصد ببدل منافعهما المنفعة، فتوجر الدابة لينفق عليها والدار للعمارة فلا تصير للتجارة مع التردد إلا بالنية."(٢٦٨:٢)

آلاتِ کسب وحرفت میں زکوٰۃ کی تفصیل:

کسب وحرفت میں استعمال ہونے والی چیزوں پر بھی زکوٰۃ لازم ہوتی ہے، خواہ وہ چیز ایسی ہو کہ استعمال کرنے سے وہ چیز خود تو خرچ ہو جاتی ہو، مگر اس کا اثر مصنوع میں باقی رہے مثلاً کپڑے رنگنے والوں کے پاس رنگ کے پاؤڈر، یا وہ چیز استعمال سے ختم نہ ہوتی ہو بلکہ باقی رہے مثلاً عطر کشید کرنے والوں کے پاس موجود شیشیاں جن میں عطر بھر کر فروخت کرتے ہیں اس طرح کی تمام چیزوں میں زکوٰۃ لازم ہے۔ البتہ جو چیز خود بھی ختم ہو جاتی ہو اور اس

پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ کا حُکم

گورنمنٹ کے ہاں موجودہ پراویڈنٹ فنڈ میں زکوٰۃ نہیں، جب وصول ہو جائے تو بھی گزشتہ زمانے کی زکوٰۃ لازم نہیں، آیندہ کے لئے اگر بقدرِ نصاب ہے اور اس پر سال گزر جائے تو زکوٰۃ لازم ہوگی، البتہ اگر یہ فنڈ گورنمنٹ کے قبضہ سے نکال کر انشورنس کمپنی یا کسی اور کمپنی کی طرف منتقل کر دیا گیا ہو تو پھر اس میں منتقل ہونے کے وقت سے سال گزرنے پر زکوٰۃ لازم ہے، اس سے پہلے سالوں کی زکوٰۃ لازم نہیں، اسی طرح پرائیویٹ کمپنیوں کے پراویڈنٹ فنڈ میں بھی وصول ہونے کے بعد گزشتہ مدت کی زکوٰۃ لازم ہے کیونکہ پرائیویٹ کمپنیوں میں یہ فنڈ ایک مستقل کمپنی کی تحویل میں دیدیا جاتا ہے جس میں ملازمین کا ایک نمائندہ ہوتا ہے تو یہ کمپنی ملازمین کی طرف سے وکیل ہے، اس کا قبضہ ملازمین کا قبضہ ہے، لہٰذا اس کمپنی کی تحویل میں دیئے جانے کے بعد اس میں زکوٰۃ لازم ہوگی۔ لأن قبض الوكيل كقبض المؤكل.

البتہ اگر کسی پرائیویٹ کمپنی میں پراویڈنٹ فنڈ مستقل کمپنی (ملازمین کی نمائندہ کمپنی) کی تحویل میں نہ دیا جاتا ہو تو پھر اس میں بھی جی پی فنڈ کی طرح گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ نہیں۔ لأنه دين ضعيف كدين المهر لأن خدمة الحر ليس بمال. (احسن الفتاویٰ: ٤/ ٢٧٠)

زکوٰۃ نہ دینے والے کی نماز

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم کو نماز کی پابندی کا اور زکوٰۃ دینے کا حکم کیا گیا ہے اور جو شخص زکوٰۃ نہ دے اس کی نماز بھی (مقبول) نہیں ہوتی (طبرانی و اصبہانی) اور ایک روایت میں ان کا ارشاد ہے کہ جو شخص نماز کی پابندی کر لے اور زکوٰۃ نہ دے وہ (پورا) مسلمان نہیں (کہ اس کا نیک عمل اس کو نفع دے)۔'' (اصبہانی)

کا اثر بھی مصنوع میں باقی نہ رہے، اس میں زکوۃ واجب نہیں۔ جیسے صابن وغیرہ۔

فی الشامية: لكن هذا (ما تستهلك عينه عند الانتفاع به في الأكساب) منه ما لا يبقىٰ أثر عينه كصابون...... ومنه ما يبقىٰ كعصفر وزعفران...... فلا زكاة في الأولين (أي ما لا تستهلك عينه أو لا يبقى أثره) لأن ما يأخذه من الأجرة بمقابلة العمل وفي الأخير زكوة إذا حال عليه الحول لأن المأخوذ بمقابلة العين...... وقوارير العطارين...... فيها الزكاة." (شامية: ۲/۲٦۵)

گروی کے طور پر رکھے ہوئے مالِ تجارت، نقدی میں زکوۃ کا حکم:

مالِ زکوۃ (نقدی، سونا، چاندی، مالِ تجارت) جب گروی کے طور پر قرض خواہ یا فروخت کنندہ کے پاس رکھا جائے تو اس کی زکوۃ نہ مقروض (مالک) پر لازم ہے نہ ابھی اور نہ واپس لینے کے بعد اور نہ قرض خواہ اور فروخت کنندہ پر، یہ گروی جس چیز کے بدلے رکھی گئی ہے خواہ اس کے بقدر ہو یا اس سے زیادہ قیمت والی ہو، دونوں صورتوں میں یہی حکم ہے۔

فی الشامية: "ولا في مرهون أي ولا على المرتهن، لعدم ملك الرقبة، ولا على الراهن لعدم اليد وإذا استرده الراهن لا يزكي عن السنين الماضية...... ويدل عليه قول البحر ومن موانع الوجوب الرهن. ح، وظاهره ولو كان الرهن أزيد من الدين. ط...... لا فرق في الرهن بين السائمة والدراهم. (۲/۲٦۳)

مشترکہ ترکے میں تقسیم سے پہلے زکوۃ کا حکم:

میت کے ترکہ میں زکوۃ کا حکم یہ ہے کہ یہ چونکہ مرحوم کے مرتے ہی ورثہ کی ملکیت میں آ گیا ہے، لہٰذا جو وارث اموالِ زکوۃ میں سے کسی مال کے جتنے حصہ کا حقدار ہو تنہا وہ مال یا دوسرے قابلِ زکوۃ اموال کے ساتھ ملا کر بقدرِ نصاب بن جاتا ہے تو اس پر زکوۃ لازم ہے ورنہ نہیں، کل ترکہ سے زکوۃ ادا کرنا صحیح نہیں، کیونکہ اس میں ورثہ میں بعض صاحبِ نصاب بعض غیر صاحبِ نصاب بھی ہو سکتے ہیں، بعض کی زکوۃ کی مقدار کم بعض کی زیادہ بھی ہو سکتی ہے۔

"وهذا كله ظاهر من القواعد ومسائل الفقه."

دخول سے پہلے طلاق کی صورت میں واپس کردہ آدھے مہر کی زکوۃ کا حکم:

جب شوہر بیوی کو دخول سے پہلے طلاق دے تو بیوی اگر پورا مہر وصول کر چکی تھی تو اس پر آدھے مہر کی واپسی لازم ہے، لیکن اگر بیوی کے ہاتھ میں اس مالِ مہر پر (بشرطیکہ نقدی یا سونا چاندی ہو) سال گزر چکا ہو تو اس پورے مال کی زکوۃ بیوی پر دینا لازم ہے، اس کی بھی جو اس کے پاس رہ گیا اور اس کی بھی جو شوہر کو واپس کیا ہے، شوہر کو جو آدھا مہر واپس مل گیا اس پر اس کی زکوۃ لازم نہیں، اگر چہ بقدرِ نصاب ہو، جب تک اس پر مستقل سال نہ گزر جائے، سال گزرنے کے بعد زکوۃ لازم ہوگی۔

یہ اس صورت میں ہے کہ نکاح کے بعد اور طلاق دینے سے پہلے مہر بیوی کے حوالے کیا گیا ہو اور اس پر بیوی کے ہاں سال بھی گزر گیا ہو، اگر مہر بیوی کے حوالے نہ کیا گیا ہو تو اب دخول سے پہلے طلاق کی صورت میں شوہر پر بیوی کا آدھا مہر دینا لازم ہے۔ جب تک شوہر یہ آدھا مہر ادا نہ کرے اس وقت تک اس آدھے مہر کی زکوۃ بیوی پر لازم نہیں، بلکہ بیوی پر اس کی زکوۃ جب لازم ہوگی جب اس کے قبضہ میں آنے کے بعد اس پر سال گزر جائے اور آدھا مہر چونکہ اب واجب الادا نہیں رہا، اس لئے شوہر اپنے اموال کی زکوۃ ادا کرتے وقت اسے منہا نہیں کر سکتا۔

فی الدر: "ويجب عليها أي المرأة زكاة نصف مهر من نقد مردود بعد مضي الحول من ألف كانت قبضته مهرا ثم ردت النصف للطلاق قبل الدخول بها فتزكي الكل لما تقرر أن النقود لا تتعين في العقود ولا الفسوخ."

وفی الشامية: "بقي ما إذا لم تقبض المرأة شيئاً وحال الحول عليه في يد الزوج ثم طلقها قبل الدخول ولم أر من صرح به والظاهر أن لا زكاة على أحد......" (۲/۳۰۷، ۳۰۸)

تنخواہ وصول ہونے سے پہلے نصاب میں شمار نہ ہوگی:

ملازم جو تنخواہ کسی ادارہ یا فرد سے وصول کرنے کا حق دار ہو گیا ہو اس کا حکم یہ ہے کہ وصول ہونے سے پہلے اس میں زکوۃ لازم نہیں، لہٰذا وصول ہونے کے بعد گزشتہ سالوں کی زکوۃ دینا لازم نہیں، البتہ وصول ہونے کے بعد حکم یہ ہے کہ اگر پہلے سے بقدرِ نصاب مالِ زکوۃ موجود ہو تو تنخواہ کی رقم اسی کے ساتھ ملا کر زکوۃ ادا کرنا لازم ہے، تنخواہ کی رقم بقدرِ نصاب ہو یا اس سے کم، نیز اس پر سال گزر جائے یا نہ گزرے، سب صورتیں برابر ہیں۔

البتہ اگر پہلے سے نصاب موجود نہیں تو اگر بقدرِ نصاب تنخواہ وصول ہو جائے اور اس پر سال بھی گزر جائے تو عام قاعدے کے مطابق زکوۃ لازم ہے، ورنہ نہیں۔

في التنوير وشرحه: "وعند قبض مأتين مع حولان الحول بعد القبض، من دين ضعيف وهو بدل غير مال...... إلا إذا كان عنده ما يضم إلى الدين الضعيف." (۲/۳۰٦)

وفي الحاشية: "وقال الكرخي: هذا إذا لم يكن له مال سوى الدين وإلا فما قبض منه فهو بمنزلة المستفاد، فيضم إلى ما عنده." (۲/۳۰۷)

حج کے لئے جمع کی ہوئی رقم پر سال گزرنے سے زکوۃ:

زید نے حج کے لئے رقم الگ کر کے حکومت کے ہاں جمع کرا دی، حج پر جانے سے پہلے پہلے اس پر وہاں سال پورا ہو گیا یعنی جمع کرانے والے کی زکوۃ کے لئے مقرر تاریخ آ گئی تو اس پر زکوۃ لازم ہے، کیونکہ اس طرح جمع کرانے سے یہ مال زید کی ملک سے نکلا نہیں۔

کیونکہ حکومت کے ساتھ اس صورت میں اجارۃ مضافہ الی المستقبل ہوتا ہے اور ایسے اجارہ میں تعجیل اجرت صحیح نہیں، اگر اجرت معجلاً دی جائے تو بھی مستأجر کی ملک سے خارج اور اجیر کی ملک میں داخل نہ ہوگی، نیز دینِ حج بھی مانع وجوب زکوۃ نہیں۔

في تنقيح الحامدية: "سئل في رجل خرج من بلدة واصطحب معه من المال نصبا كثيرة لم يخرج زكاتها، ويزعم أنه لا تلزمه زكاتها إذا حال عليها الحول لكونه يريد الحج، فهل تلزمه زكاتها؟

الجواب: نعم تلزمه زكاة الفاضل معه (أي الذي لم ينفقه إلى الحال قبل حولان الحول) حيث حال عليه الحول ولم يخرج زكاته، ولا عبرة بزعمه المذكور، لأن ما ليس له مطالب من جهة العباد لا يمنع وجوب الزكاة، كدين النذر والكفارة ووجوب الحج وصدقة الفطر وهدى ومتعة وأضحية ولقطة بعد التعريف. كذا في شرح الملتقى للباقاني وكذا في البحر والنهر وغيرهما. وافراز المال المذكور لأجل الحج لا يخرجه عن ملكه. والله اعلم." (۱/۸)

وفي الدر: "وأما المضافة (كما في صورة الحج) فلا تملك فيها الأجرة بشرط التعجيل إجماعا.

وفی الحاشیۃ: قوله وأما المضافة: "فيكون الشرط باطلا ولا يلزمه للحال شيء." (رد المحتار مع الدر: ٦/۱۰)





زیور پر زکوۃ

زیور کی زکوۃ کے متعلق تفصیل:

زیورا کیلے ہوں، دوسرا کوئی مالِ زکوۃ ساتھ نہ ہو اور سونے کے ہوں تو ساڑھے سات تولہ اور چاندی کے ہوں تو وجوبِ زکوۃ کے لئے ساڑھے باون تولہ ہونا ضروری ہے، اس سے کم وزن میں زکوۃ لازم نہیں، البتہ اگر سونا چاندی دونوں کے زیور ہوں یا مالِ تجارت بھی ساتھ ہو تو پھر وزن کو نہیں دیکھا جائے گا، بلکہ سب کی قیمت لگائی جائے گی، اگر ان سب کو ملا کر 612.35 گرام چاندی کی قیمت کے برابر ہوں تو ان میں زکوۃ فرض ہے ورنہ نہیں۔ باقی زیور میں صرف سونے یا چاندی کی قیمت لگائی جائے گی، موتیوں نگینوں اور زیور بنوانے کی اجرت شامل نہیں کی جائے گی، نیز نصاب معلوم کرنے کے لئے زیور میں موجود سونے کی قیمت لگائی جائے گی، اگر خالص سونا ہے تو خالص سونے کی قیمت، اگر اس میں ملاوٹ ہے تو ملاوٹ شدہ سونے کی قیمت لگائی جائے گی، نیز اس میں قیمتِ خرید نہیں لگائی جائے گی بلکہ جس دن زکوۃ لازم ہوئی ہے اس دن کی قیمت لگائی جائے گی۔ ملاوٹ شدہ سونے میں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کھوٹ کی مقدار معلوم کر کے اس کو نکال کر خالص سونے کی زکوۃ اداء کرے۔

فی الدر:" وتعتبر القيمة يوم الوجوب."(٢٨٦/٢)

وفيه:وغالب الفضة والذهب فضة وذهب." وفي الحاشية: أى فتجب زكاتهما لا زكاة العروض."(٣٠٠/٢)

وفيه: لا زكاة في اللآلي والجواهر وإن ساوت ألفا."(٢٧٣/٢)

وفي الشامية: ولوله إبريق فضة وزنه مائة وقيمته لصياغته مئتان، لا تجب الزكوة باعتبار القيمة، لأن الجودة والصنعة في أموال الربا لا قيمة لها عند انفرادها ولا عند المقابلة بجنسها."

(٣٠٣/٢)

زیور کی زکوۃ کس کے ذمہ ہے؟

بہت سی خواتین اپنے شوہروں کو کہتی ہیں کہ ہمارے زیور کی زکوۃ آپ اداء کریں، کیونکہ ہمارے پاس زکوۃ اداء کرنے کے لئے پیسے نہیں ہیں۔

ایسی صورت میں شوہر پر لازم نہیں کہ وہ بیوی کی طرف سے زکوۃ اداء کرے، بلکہ بیوی پر خود اداء کرنا لازم ہے، اگر نقد رقم ہے ہی نہیں زیور ہی ہیں تو ان کو فروخت کر کے ان کی قیمت سے زکوۃ اداء کرے، تاہم اگر شوہر بیوی کے کہنے پر زکوۃ اداء کرے تو زکوۃ اداء ہو جائے گی اور یہ رقم بیوی کے ذمہ قرض ہے، شوہر کو وصول کرنے کا حق ہے اور چاہے تو معاف بھی کر سکتا ہے۔

فی الشامية: "ولو تصدق عنه بامره جاز ويرجع بما دفع عند أبي يوسف."(٢٦٩/٢)

بیوی پر زیور کی زکوۃ کب لازم ہے؟

بیوی پر زیور کی زکوۃ جب لازم ہے جب وہ زیور بیوی ہی کی ملکیت ہوں، اگر زیور شوہر کی ملکیت ہوں، بیوی صرف اسے استعمال کرتی ہے تو اس کی زکوۃ بیوی پر نہیں شوہر پر لازم ہے۔

سونے، چاندی کے سوا دوسرے قیمتی پتھروں میں زکوۃ لازم نہیں:

زمرد، ہیرے جواہرات اور دوسرے قیمتی پتھروں میں زکوۃ لازم نہیں، الا یہ کہ تجارت کی نیت سے خریدے گئے ہوں اور سال پورا ہونے تک یہ نیت باقی ہو تو پھر مالِ تجارت ہونے کی وجہ سے زکوۃ لازم ہوگی۔

فی الدر:"لا زكاة في اللآلي والجواهر وإن ساوت ألفا إلا أن تكون للتجارة......وشرط مقارنتها لعقد التجارة وهو كسب المال بالمال بعقد شراء أو إجارة او استقراض."(٢٧٣/٢)

مالداروں کے مال میں حق

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ نے مسلمان مالداروں پر ان کے مال میں اتنا حق (یعنی زکوۃ) فرض کیا ہے جو ان کے غریبوں کو کافی ہو جائے اور غریبوں کو بھوکے ننگے ہونے کی جب بھی تکلیف ہوتی ہے، مالداروں ہی کی (اس کرتوت کی) بدولت ہوتی ہے (کہ وہ زکوۃ نہیں دیتے) یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ ان سے (اس پر) سخت حساب لینے والا اور ان کو دردناک عذاب دینے والا ہے۔" (طبرانی اوسط وصغیر)

(ب) حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم کو نماز کی پابندی کا اور زکوۃ دینے کا حکم کیا گیا ہے اور جو شخص زکوۃ نہ دے اس کی نماز بھی (مقبول) نہیں ہوتی (طبرانی، اصبہانی) اور ایک روایت میں ان کا ارشاد ہے کہ جو شخص نماز کی پابندی کرے اور زکوۃ نہ دے وہ (پورا) مسلمان نہیں (کہ اس کا نیک عمل اس کو نفع دے)۔" (اصبہانی)

قرض پرزکوٰۃ کی تفصیل

قرض کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ دین قوی: جیسے کسی کو نقد رقم قرض دی ہے یا کسی کو مالِ تجارت یا وہ مواشی جن میں زکوٰۃ فرض ہو فروخت کیے ہیں اور قیمت وصول نہیں کی، اس قسم کے دین میں قبض کرنے سے پہلے گزرے ہوئے تمام سالوں کی زکوٰۃ فرض ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر اس کے پاس اس قرض کے علاوہ مالِ زکوٰۃ بقدر نصاب موجود ہے تو جتنی رقم بھی قرض سے وصول ہوتی جائے اس کو نصاب کے ساتھ ملا کر زکوٰۃ اداء کرنا ضروری ہے، اگر اس کے پاس قرض کے علاوہ نصاب نہ ہو جبکہ یہ قرض بقدرِ نصاب ہو تو جب نصاب (35، 612 چاندی کی قیمت) کے پانچویں حصہ کے بقدر قرض وصول ہوتا جائے اس کی زکوٰۃ اداء کرے۔ اس میں تاخیر کرنے سے گناہ ہوگا۔ اگر قرض وصول ہونے سے پہلے زکوٰۃ دی تو بھی حرج نہیں اور آسانی بھی اس میں ہے۔

۲۔ دین متوسط: جو نقدی کی شکل میں دوسرے کو قرض نہ دیا ہو، نہ مالِ تجارت فروخت کرنے کے عوض دوسرے پر لازم ہوا ہو بلکہ دوسرے اموال اور چیزیں فروخت کرنے کی صورت میں خریدار کے ذمہ واجب الاداء رقم ہو، مثلاً غیر تجارتی اور غیر قابلِ زکوٰۃ گھر پر چارہ کھانے والے جانور فروخت کیے وغیرہ وغیرہ تو اس صورت میں بھی وصول ہونے سے پہلے گزشتہ تمام سالوں کی زکوٰۃ لازم ہے، جس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر اس قرض کے علاوہ اس کے پاس بقدرِ نصاب مالِ زکوٰۃ موجود ہو تو اس قرض کا جتنا بھی حصہ وصول ہوتا جائے اس نصاب کے ساتھ ملا کر اس کا حساب لگانا اور زکوٰۃ دینا لازم ہے، اگر ایسا نہیں اور یہ قرض بقدرِ نصاب ہو تو پھر قرض کی رقم سے جب بقدرِ نصاب رقم وصول ہو جائے اس کی زکوٰۃ کی ادائیگی لازم ہوگی، اس سے کم وصول ہونے کی صورت میں ادائیگی لازم نہیں، اگر قرض وصول ہونے سے پہلے پہلے زکوٰۃ دے تو بھی حرج نہیں۔

میراث میں ملنے والا قرض جس بھی نوعیت کا ہو وہ بھی دین متوسط کے حکم میں ہے، لیکن فرق یہ ہے کہ اس میں گزشتہ زمانے کی زکوٰۃ لازم نہیں بلکہ جس وقت وہ وارث کی طرف منتقل ہوا یعنی مورث کے مرنے کے بعد اس وقت سے سال کا حساب لگایا جائے گا۔

البتہ ایک قول دین متوسط پر گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ لازم نہ ہونے کا بھی ہے، اس پر عمل کرنے کی بھی گنجائش ہے۔

لتصحیح البدائع عدم وجوب الزکوۃ علیه:

"ومثله ما لوورث دینا علی رجل ای مثل الدین المتوسط فیما مرولضابه من حین ورثه."(شامیه: ۲/۳۰۶)

۳۔ دین ضعیف: جو کسی مال کے بدلے میں لازم نہ ہو مثلاً مہر، دیۃ، خلع کی رقم وغیرہ، اس کا حکم یہ ہے کہ گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ لازم نہیں، اگر پہلے سے نصاب موجود ہے تو اس قرض کا جتنا بھی حصہ وصول ہوتا جائے اس کو نصاب کے ساتھ ملا کر زکوٰۃ دینا لازم ہے، اگر اس کے علاوہ کوئی نصاب نہیں تو پھر اس میں زکوٰۃ جب واجب ہوگی جب بقدرِ نصاب رقم وصول ہو جائے اور اس پر سال بھی گزر جائے اور سال کے آخر میں بھی بقدرِ نصاب رقم موجود ہو اگر ان تین شرطوں میں سے کوئی ایک شرط بھی نہ پائی جائے تو زکوٰۃ لازم نہیں۔

فی الدر:"واعلم أن الدیون عند الإمام ثلاثة: قوی ومتوسط وضعیف، فتجب زکاتها إذا تم نصابا وحال الحول، لکن لا فورا بل عند قبض أربعین درهما من الدین القوی کقرض وبدل مال تجارة، فکلما قبض أربعین درهما یلزمه درهم، وعند قبض مائتین منه لغیرها أی من بدل مال لغیر تجارة وهو المتوسط کثمن سائمة وعبید خدمته، ویعتبر ما مضی من الحول قبل القبض فی الأصح (وفی الحاشیة: قد علمت أنه ظاهرا الروایة وعبارة الفتح والبحر: فی صحیح الروایة.")(وفیه الاحتیاط أیضًا) وعند قبض مائتین مع حولان الحول بعده من دین ضعیف وهو بدل غیر مال کما ودیة وبدل کتابة وخلع إلا إذا کان عنده ما یضم إلی الدین الضعیف."

وفی الحاشیة:"أن التقیید بالضعیف عزاه فی البحر إلی الولوالجیة والظاهر أنه اتفاقی إذ لا فرق یظهر بینه و بین غیره......"(رد المحتار مع الدر: ۲/۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷)

قرض میں غلہ یا زمین یا کوئی دوسری چیز وصول ہو تو زکوٰۃ کا حکم:

مقروض سے قرض کی ادائیگی میں رقم کی بجائے زمین یا غلہ یا کوئی دوسری چیز لی جائے تو بھی عام قاعدے کے تحت گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ لازم ہے۔

فی التنویر:"ولو کان الدین علی معترف فوصل إلی ملکه لزم زکلة ما مضی."(۲/۲۶۷)

قرض خواہ فوت ہو جائے تو زکوٰۃ کا حکم:

اسلم کا جاوید پر قرض تھا، وصول ہونے سے پہلے پہلے اسلم فوت ہو گیا تو اس پر اس مال کی زکوٰۃ لازم نہ تھی اور نہ ہی اس پر وصیت کرنا لازم اور نہ ورثہ کو اس کی طرف سے اداء کرنا لازم ہے، جب ورثہ یہ قرض وصول کریں گے تو بھی گزشتہ زمانے کی زکوٰۃ لازم نہیں، بلکہ مورث کی موت کے وقت سے سال گزرنے پر زکوٰۃ لازم ہوگی۔

فی الشامیة: تنبیه: مقتضیٰ ما مر من أن الدین القوی والمتوسط لا یجب أداء زکاته إلا بعد القبض، أن



المورث لو مات بعد سنین قبل قبضه لا یلزمه الإیصاء بإخراج زکاة عند قبضه، لأنه لم یجب علیه الأداء فی حیاته ولا علی الوارث أیضا لأنه لم یملکه إلا بعد موت مورثه فابتداء حوله من وقت الموت."(شامیة:۳۰۶/۲)

علانیہ منکر اگر سراً قرض کا اقرار کرے:

اگر مدیون ایسا ہو کہ سراً جب لوگ حاضر نہ ہوں تو قرض کا اقرار کرتا ہو لیکن لوگوں کے سامنے قرض سے انکار کرتا ہو تو وصول ہونے سے پہلے قرض خواہ پر اس کی زکوۃ لازم نہیں۔

"وإن کان المدیون یقر فی السر ویجحد فی العلانیة فلا زکاة فیه، کذا روی عن أبی یوسف، لأنه لا ینتفع بإقراره فی السر فکان بمنزلة الجاحد سراً و علانیة."(بدائع :۳۹۱/۲)

دیت کی رقم میں زکوۃ کا حکم:

دیت کی رقم جب تک وصول نہ ہو جائے اس میں زکوۃ نہیں، لہٰذا وصول ہونے کے بعد گزشتہ عرصہ کی زکوۃ لازم نہیں، بلکہ وصول ہونے کے بعد سال گزرنے پر جب بقدرِ نصاب باقی ہو تو پھر اس میں زکوۃ لازم ہے۔

"وکذا الدیة علی العاقلة ملک ولی القتیل فیها متزلزل، بدلیل أنه لو مات واحد من العاقلة سقط ما علیه فلم یکن ملکا مطلقا ووجوب الزکوة وظیفة الملک المطلق."(بدائع:۳۹۱/۲)

سالہائے گزشتہ کی زکوۃ میں یوم وجوب کی قیمت کا اعتبار ہوگا:

کسی شخص نے سونے، چاندی، مال تجارت کی کئی سال تک زکوۃ ادا نہیں کی، اب ادا کرنے کا ارادہ ہے تو جس دن اس پر زکوۃ لازم ہوئی تھی اس دن کی قیمت کے اعتبار سے دینا لازم ہے، اگر وہ یاد نہ ہو اور اس کا معلوم کرنا مشکل ہو تو جس دن زکوۃ دے رہا ہو اس دن کی قیمت بھی لگا سکتا ہے، بلکہ قیمت بڑھ جانے کی صورت میں احتیاط بھی اسی میں ہے۔

فی الشامیة:"وتعتبر القیمته یوم الوجوب وقالا یوم الأداء."(۲۸۶/۲)

صاحبِ نصاب کا درمیان سال میں مقروض ہونا:

اگر کسی کے پاس بقدرِ نصاب مال آیا لیکن کچھ مدت گزرنے کے بعد اتنا مقروض ہو گیا کہ قرض نصاب کے بقدر ہو گیا یا نصاب سے بھی بڑھ گیا، پھر آخر سال میں قرض سب اداء ہو گیا یا اتنا باقی رہ گیا کہ اسے منہا کرنے کے باوجود صاحبِ نصاب ہے تو ایسے شخص پر سال کے آخر میں زکوۃ دینا لازم ہے، یہ نہیں کہا جائے گا کہ چونکہ درمیان سال میں یہ بقدرِ نصاب یا اس سے زیادہ مقروض ہو گیا تھا، لہٰذا سال کی ابتداء قرض کی ادائیگی کے بعد سے ہوگی، کیونکہ قرض اگر چہ مستغرق ہو یعنی اتنا زیادہ ہو کہ اگر قرض اداء کرے تو اس کے پاس کچھ بھی مال نہ بچے تو بھی اس سے نصاب پر کوئی اثر نہیں پڑتا، اگر سال کی ابتداء وانتہاء میں نصاب پورا ہو تو زکوۃ لازم ہوتی ہے۔

"وأما الدین فلا یقطع ولو مستغرقا."

وفی الحاشیة:"وقد مر هناک ترجیح ما هنا فراجعه."

(رد المحتار مع الدر:۳۰۲/۲)

اکاؤنٹ کی رقم سے قرض کس طرح منہا کریں؟

بعض اوقات آدمی مقروض ہوتا ہے، جبکہ بینک تو تاریخ آنے پر پوری رقم کی زکوۃ کاٹ لیتا ہے اور اس سے قرضے منہا نہیں ہوتے۔ اس کا ایک حل تو یہ ہے کہ تاریخ آنے سے پہلے اپنی رقم بینک سے نکال لے یا کرنٹ اکاؤنٹ میں منتقل کروالے، کیونکہ اس میں زکوۃ نہیں کٹتی اور اپنے طور پر قرضے منہا کر کے زکوۃ اداء کر لی جائے۔

دوسرا حل یہ ہے کہ بینک کو لکھ کر دیا جائے کہ میں صاحبِ نصاب نہیں ہوں یا اتنی رقم کے بقدر مقروض ہوں۔ پھر بینک اس کے مطابق عمل کرتا ہے۔

واجب الاداء عشر کے ساتھ نقدی، مالِ تجارت کی زکوۃ کا حکم:

اگر کسی کے ذمے عشر دینا لازم ہو، اور عشر کی قیمت منہا کر کے مالِ تجارت اور نقدی بقدرِ نصاب بچ جاتی ہو تو واجب الاداء عشر بھی اداء کرنا لازم ہے اور زکوۃ بھی، لیکن اگر عشر منہا کرنے کے بعد نقدی یا مالِ تجارت بقدرِ نصاب نہ بچے تو پھر صرف عشر کی ادائیگی ضروری ہے، زکوۃ لازم نہیں۔

یہ حکم اس وقت ہے جبکہ وہ غلہ جس میں عشر لازم تھا باقی نہ ہو بلکہ اسے استعمال کر لیا گیا ہو یا ویسے ضائع کر دیا گیا ہو، اگر وہ غلہ موجود ہو یا کسی غیر اختیاری آفت کی وجہ سے ضائع ہو گیا ہو تو پھر عشر کی قیمت کو مالِ تجارت اور نقدی سے منہا نہیں کیا جائے گا بلکہ کل مالِ تجارت اور نقدی اگر بقدرِ نصاب ہے تو اس میں زکوۃ دینا لازم ہے۔

"وکذا(لا تجب الزکوة)إذا صار العشر دینا فی الذمة بأن أتلف

زمین و مکان وغیرہ کے کرایہ پر دینے

زمین ومکان اگر تجارت کے لئے ہو اور اسے کرایہ پر دیا جائے تو احتیاط اسی میں ہے کہ اس کی اجرت میں گزشتہ زمانے (قبض سے پہلے اس پر جتنے سال گزرے ہوں) کی زکوۃ دی جائے۔(احسن الفتاویٰ:۲۷۲/۴)

البتہ اگر غیر تجارتی چیزوں کو کرایہ پر دیا جائے تو ان سے جو اجرت حاصل ہوگی اس میں اختلاف ہے کہ دین متوسط ہے یا دین ضعیف؟ پہلی صورت میں زکوۃ لازم ہوگی دوسری میں نہیں۔ احتیاط اسی میں ہے کہ اس کو دین متوسط قرار دیا جائے، جس میں ظاہر الراویۃ کے مطابق اور فتح القدیر وصاحب علائیہ کی تصریح کے مطابق زکوۃ لازم ہے احتیاط بھی اسی میں ہے، لہٰذا اس کی زکوۃ بھی اداء کرنا چاہیے۔(ردالمحتار:۳۰۵/۲)

سونے چاندی کی تختیاں

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ"کوئی شخص سونے کا رکھنے والا اور چاندی کا رکھنے والا ایسا نہیں جو اس کا حق (یعنی زکوۃ) نہ دیتا ہو مگر (اس کا حال یہ ہوگا) کہ جب قیامت کا دن ہوگا اس شخص کے (عذاب کے) لئے اس سونے چاندی کی تختیاں بنائی جائیں گی پھر ان (تختیوں) کو جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا پھر ان سے اس کی کروٹ اور پیشانی اور پشت کو داغ دیا جائے گا، جب وہ (تختیاں) ٹھنڈی ہونے لگیں گی پھر دوبارہ ان کو تپا لیا جائے گا (اور) یہ اس دن میں ہوگا جس کی مقدار پچاس ہزار برس کی ہوگی (یعنی قیامت کے دن کی)۔"

(بخاری ومسلم واللفظ لمسلم)

الطعام العشری صاحبه، فأما وجوب العشر فلا یمنع لأنه متعلق بالطعام وهو لیس مال التجارة." (رد المحتار: ۲/ ۲۶۱)

دینِ مؤجل مانعِ زکوٰۃ نہیں:

اگر کسی کے مالِ تجارت یا نقدی رقم پر سال گزر گیا لیکن اس کے ذمہ قرض ہے، جس کی ادائیگی کے لئے آیندہ کی کوئی تاریخ مقرر ہے تو اس مؤجل قرض کی بناء پر اس سے وجوب زکوٰۃ ساقط نہیں ہوتی بلکہ زکوٰۃ دینا لازم ہے۔

"زاد القهستانی عن الجواهر: والصحیح أنه (الدین المؤجل) غیر مانع." (شامیه: ۲/ ۲۹۱)

دینِ مہر مانعِ وجوبِ زکوٰۃ ہے یا نہیں؟

اگر شوہر کا ارادہ اور عزم مہر ادا کرنے کا ہے تو پھر یہ دینِ مہر شوہر پر وجوبِ زکوٰۃ سے مانع ہے بشرطیکہ اس کو منہا کرنے کے بعد بقدرِ نصاب مال نہ بچے، اگر دینے کا عزم نہیں ہے تو پھر مانع نہیں ہے، لہٰذا مہر کی واجب الاداء رقم منہا کئے بغیر زکوٰۃ اداء کرنا لازم ہے۔

فی البدائع: وقال بعضهم إن کان الزوج علی عزم من قضائه یمنع وإن لم یکن علی عزم القضاء لا یمنع، لأنه لا یعده دینا، وإنما یؤاخذ المرء بما عنده فی حق الأحکام." (۲/ ۳۸٤)

امداد الفتاویٰ: ۲/ ۹ میں بھی اس کو راجح قرار دیا ہے۔

اپنے پراویڈنٹ فنڈ سے قرض لینے کا حکم:

اپنے پراویڈنٹ فنڈ سے قرض لینے کی صورت میں اس کو منہا نہیں کیا جائے گا، اگرچہ پھر کمپنی کو واپس کرنا پڑتا ہے، کیونکہ یہ تو اس کی اپنی رقم ہے، اسے بطورِ قرض لینے کے بعد اگر اس پر سال گزر گیا تو اس کی زکوٰۃ لازم ہے اور اگر دوبارہ کمپنی کو اداء کیا تو بھی اس کی زکوٰۃ لازم ہے کیونکہ اس صورت میں یہ "دینِ قوی" بن گیا جس کا حکم یہ ہے کہ جتنا حصہ اس کا وصول ہوتا جائے اس کو باقی رقم کے ساتھ ملا کر گزشتہ تمام سالوں کی زکوٰۃ ادا کی جائے۔ علی قول الصاحبین کما فی احسن الفتاویٰ: ٤/ ۲۷۳

عدالتی فیصلہ یا شوہر بیوی کی رضامندی سے لازم شدہ نفقہ بحکم قرض ہے:

جب شوہر بیوی اپنی رضامندی سے ماہانہ یا سالانہ نفقہ کی خاص مقدار طے کریں جو شوہر کے ذمہ واجب الاداء ہو یا عدالتی چارہ جوئی کے نتیجے میں شوہر پر عدالت کی طرف سے ایک خاص مقدار بطورِ نفقہ مقرر کی جائے، پھر شوہر اسے ادا نہ کرے حتیٰ کہ اس کے ذمہ قرض بن جائے تو اس قرض کو بھی مالِ زکوٰۃ سے منہا کیا جائے گا، منہا کرنے کے بعد اگر بقدرِ نصاب مال بچ جاتا ہو تو زکوٰۃ لازم ہے ورنہ نہیں، نیز ان دو صورتوں کے علاوہ نفقہ کی رقم منہا نہیں کی جاسکتی۔

فی الدر"و (دین) نفقة لزمته بقضاء أو رضا." وفی الحاشیه:"أی بقضاء القاضی بها أو تراضیهما علی قدر معین لأنها بدون ذلک تسقط بمضی المدة، وإنما تصیر دینا بأحدهما......" (رد المحتار مع الدر: ۲/ ۲۶۱)

مالِ زکوٰۃ، قربانی، صدقۃ الفطر کی رقم منہا کرنے کا حکم:

مالِ زکوٰۃ کا سال اگر صدقۃ الفطر یا قربانی کے دنوں میں پورا ہو جائے تو پہلے زکوٰۃ اداء کی جائے گی، اس کے بعد باقی ماندہ مالِ زکوٰۃ اکیلا یا ضرورت سے زائد سامان (جس کی تفصیل صدقۃ الفطر کے بیان میں آئے گی) کے ساتھ مل کر اگر بقدرِ نصاب ہے تو اضحیہ اور صدقۃ الفطر لازم ہے ورنہ نہیں۔

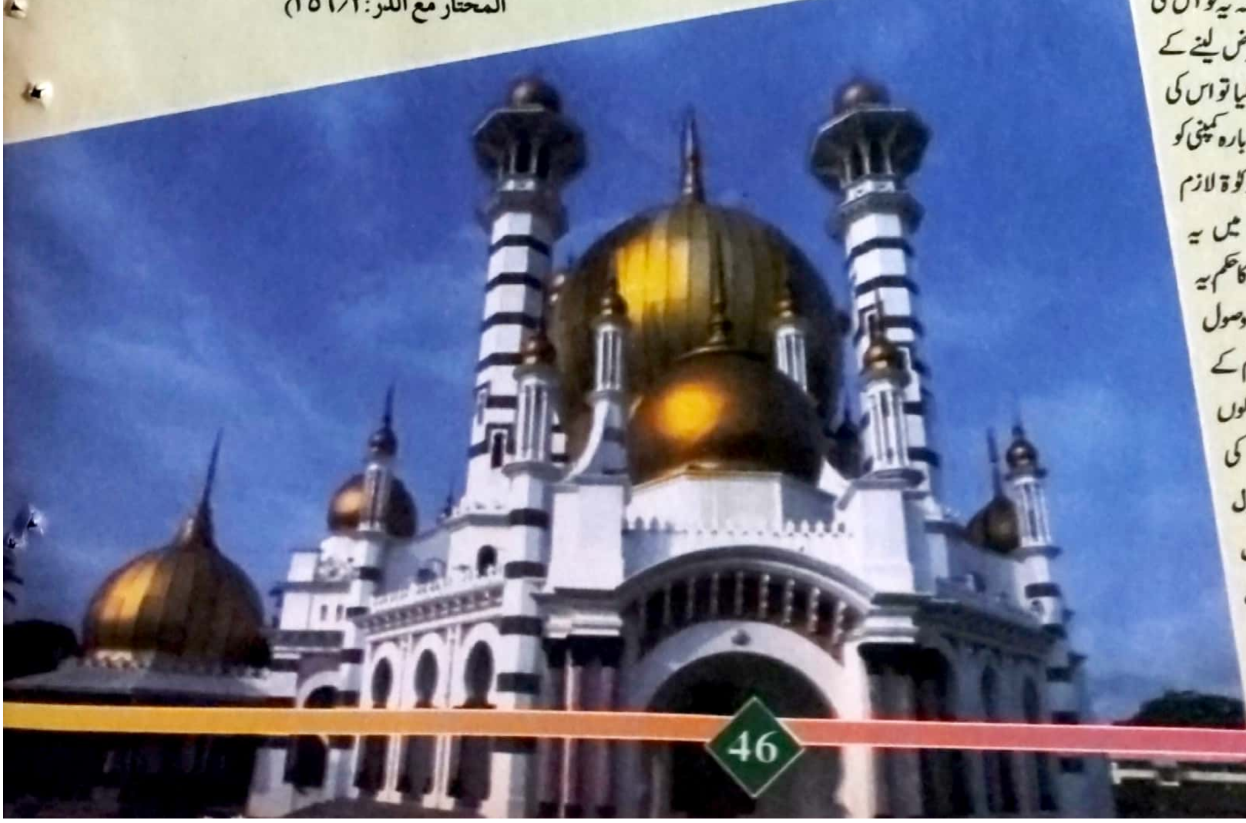
فی الشامیه: "وکذا لا یمنع دین صدقة الفطر وهدی المتعة والأضحیه، بحر." (۲/ ۲۶۱)

عشر و زکوٰۃ چوری ہو جانے کی صورت میں ادائیگی کا حکم:

کسی نے زکوٰۃ یا عشر اداء کرنے کی نیت سے رقم یا سامان الگ کر کے رکھ دیا اور اس کے علم و رضا کے بغیر کسی نے اٹھا لیا تو اس صورت میں عشر و زکوٰۃ اداء نہیں ہوئی، بلکہ دوبارہ دینا ضروری ہے، الا یہ کہ بعد میں لینے والے شخص کا علم ہو جائے اور وہ مستحقِ زکوٰۃ بھی ہو اور وہ مال اس کی ملکیت میں موجود بھی ہو اور اس کے لینے پر زکوٰۃ دہندہ راضی بھی ہو جائے تو پھر زکوٰۃ اداء ہو جائے گی۔ اگر ان میں کوئی ایک شرط بھی نہ پائی جائے تو زکوٰۃ اداء نہ ہوگی۔

فی الدر:"ولو وضعها علی کفه فانتهبها الفقراء جاز." وفی الحاشیة:"وینبغی تقییده بما إذا کان الانتهاب برضاه لاشتراط اختیار الدفع فی الأموال الباطنة کما مر فی مسئلة البغاة، ویدل علیه المسألة الآتیة."

والمسألة الآتیة قول صاحب الدر: ولو سقط مال فرفعه فقیر فرضی به جاز إن کان یعرفه أی یعرف شخصه لئلا یکون تملیکا لمجهول لأنه إذا لم یعرفه بأن جاء إلی موضع المال فلم یجده وأخبره أحد بأنه رفعه فقیر لا یعرفه ورضی المالک بذلک لم یصح لأنه یکون إباحة والشرط فی الزکاة التملیک. قوله والمال قائم: لأنه لو رضی بذلک بعد ما استهلک الفقیر المال لم تصح نیته کما مر." (رد المحتار مع الدر: ۲/ ۳۵٦)



زکوٰۃ کے مصارف

زکوٰۃ کون لے سکتا ہے؟

سوال: کتنی مالیت رکھنے والا شخص زکوٰۃ لے سکتا ہے اور کتنی مالیت والے پر زکوٰۃ نہیں لگ سکتی؟ (اظہر۔ ملتان)

جواب: سونے، چاندی، مال تجارت اور گھر میں روز مرہ استعمال کی چیزوں سے زائد سامان کی قیمت لگا کر اس میں نقدی جمع کی جائے، ان پانچوں کے مجموعہ یا ان میں سے بعض کے مجموعہ کی مالیت ۶۱۲٫۳۵ گرام چاندی کی قیمت سے کم ہو تو ایسا شخص زکوٰۃ کا مستحق ہے وہ زکوٰۃ لے سکتا ہے اور اگر ان پانچوں یا ان میں سے بعض کا مجموعہ چاندی کے وزن مذکور کی قیمت کے برابر یا اس سے زائد ہے تو ایسا شخص زکوٰۃ نہیں لے سکتا۔

تین جوڑے کپڑے سے زائد لباس، ریڈیو، ٹیپ ریکارڈر، یا ٹی وی اور وی سی آر جیسی خرافات انسانی حاجات میں داخل نہیں، اس لئے ان کی قیمت بھی حساب میں لگائی جائے گی۔

"والحاصل أن النصاب قسمان: موجب للزكاة وهو النامي الخالي عن الدين وغير موجب لها وهو غيره، فإن كان مستغرقا بالحاجة لما لكه أباح أخذها (الزكاة) وإلا حرمه (أخذ الزكاة) وأوجب غيرها من صدقة الفطر والأضحية." (شامية: ۲/۳۳۹)

وفي أضحية الشامية: وصاحب الثياب الأربعة لو ساوى الرابع نصابا غنى، وثلاثة فلا، لأن أحدهما للبذلة والآخر للمهنة والثالث للجمع والوفد والأعياد." (رد المحتار: ۵/۲۱۹)

ایک غلط رواج کی اصلاح:

بہت سے مالدار لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کے علاقوں میں سینکڑوں غریب ہوتے ہیں مگر یہ لوگ زکوٰۃ صرف اپنی برادری کی انجمن میں دیتے ہیں اور پھر وہ انجمن قبرستان کی زمین، شادی ہال، ہسپتال وغیرہ پر حیلۂ تملیک کر کے زکوٰۃ کی رقم ان چیزوں میں خرچ کرتی ہے۔

تو خوب سمجھنا چاہیے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے مستحق زکوٰۃ فقیر کو مالک بنا کر دینا ضروری ہے، جس صورت میں تملیک نہ ہو مثلاً کوئی عمارت تعمیر کر دی یا قبرستان خرید کر وقف کر دیا، اس سے زکوٰۃ اداء نہیں ہوتی اور جو تملیک کا حیلہ عام طور پر کیا جاتا ہے کہ کسی غریب کو زکوٰۃ دے دی اور اس سے کہا کہ تم فلاں کام پر خرچ کردو۔ وہ غریب بھی جانتا ہے کہ یہ میرے ساتھ کھیل ہو رہا ہے اور حقیقت میں مجھے اس زکوٰۃ کی رقم میں سے ایک پیسے کا بھی اختیار نہیں اور دینے والے بھی یہی سمجھتے ہیں تو یہ محض ایک حیلہ اور ظاہری ہیر پھیر ہے اس کی وجہ سے حکم میں کوئی تبدیلی نہیں آتی اور نہ اس سے زکوٰۃ اداء ہوتی ہے۔

بینک کا زکوٰۃ کاٹنا

سوال: حکومت بینک میں جمع شدہ اموال کی زکوٰۃ کاٹتی ہے، کیا زکوٰۃ اداء ہو جائے گی۔ دوبارہ اداء کرنا تو ضروری نہیں؟ (سید رؤف زرولی۔ صوابی)

جواب: اگرچہ حکومت کا طریق کار غلط ہے، تاہم "مجلس تحقیق مسائل حاضرہ کراچی" کے فیصلے کے مطابق زکوٰۃ اداء ہو جاتی ہے، دوبارہ اداء کرنے کی ضرورت نہیں البتہ احتیاط اس میں ہے کہ رقم کا مالک یکم رمضان (جس کو کٹوتی ہوتی ہے) آنے سے پہلے دل میں یہ نیت کرلے کہ میری رقم سے جو زکوٰۃ کٹے گی وہ میں اداء کرتا ہوں۔

سپریم کورٹ کے فیصلے کے مطابق حنفی مسلک سے تعلق رکھنے والے مسلمانوں کے لئے بھی درخواست دے کر زکوٰۃ کی کٹوتی سے استثناء کی رعایت دے دی گئی ہے، چونکہ تجارب سے ثابت ہوا ہے کہ حکومت زکوٰۃ کو مصارف زکوٰۃ میں صرف کرنے کے سلسلے میں احتیاط سے کام نہیں لیتی، اس لئے سپریم کورٹ کے فیصلے کے مطابق دی گئی استثناء کی رعایت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے درخواست دے کر استثناء حاصل کر لینا چاہئے اور زکوٰۃ صحیح مصرف میں خود خرچ کرنی چاہئے۔

مدِ زکوٰۃ سے خیراتی دواخانہ کھولنے کا حکم:

سوال: ہم اپنے محلہ میں ایک دواخانہ کھولنا چاہتے ہیں، جس کا خرچ زکوٰۃ اور چرم قربانی کے پیسوں سے چلانا ہے، اس میں مریضوں سے بھی کچھ پیسے وصول کئے جائیں گے اور وہ پیسے بھی دواخانہ ہی میں خرچ ہوں گے۔ پوچھنا یہ ہے کہ شریعت کی رو سے اسطرح زکوٰۃ اداء ہو جاتی ہے یا نہیں اور اس سے ہر شخص فائدہ اٹھا سکتا ہے یا نہیں؟ (سعید اللہ۔ کراچی)

جواب: دواخانہ میں زکوٰۃ اور چرم قربانی کا مصرف صرف یہ ہے کہ اس رقم سے دوائیں خرید کر مساکین کو مفت دے دی جائیں، اس مد سے دواخانہ کے ڈاکٹروں اور دوسرے کارکنوں کی تنخواہ، مکان کا کرایہ، تعمیر اور فرنیچر وغیرہ مصارف پر خرچ کرنا جائز نہیں، اس سے زکوٰۃ اداء نہیں ہوگی۔ مساکین سے مدِ زکوٰۃ سے خریدی ہوئی دواؤں کے پیسے لینا اور وہ دوائیں غیر مساکین کو دینا جائز نہیں، بعض دواخانوں میں مدِ زکوٰۃ سے مریضوں کو خون دیا جاتا ہے، اس سے زکوٰۃ اداء نہیں ہوگی۔

"فلا يكفي فيها الإطعام إلا بطريق التمليك، ولو أطعمه عنده ناويا الزكاة لا يكفي."

(شامية: ۲/۳۴۴)

وفي الدر: "هي (الزكوة) تمليك جزء مال عينه الشارع من مسلم فقير." (۲/۲۵۷) واما الدم فلانه ليس بمال.

بنام قرض زکوٰۃ دی تو اداء ہوگئی:

سوال: زید نے بکر کو سو روپے زکوٰۃ کی نیت سے دے دیئے اور زکوٰۃ کا نام نہیں لیا اور کہا کہ ان پیسوں سے اپنا کام کرلے، جب تیرے پاس ہوں دے دینا۔ زکوٰۃ کا نام اس لئے نہیں لیا کہ بکر زکوٰۃ لینے کو معیوب جانتا تھا، سال دو سال کے بعد بکر نے زید کو سو روپے واپس دے دیئے، اب زید وہ پیسے دوسرے مسکین کو دے دے یا کیا کرے؟ شرعاً اس طرح زکوٰۃ دینا جائز ہے یا نہیں؟ (عبدالجبار۔ ساہیوال)

جواب: زکوٰۃ اداء کرتے وقت زکوٰۃ کا ذکر ضروری نہیں، اس لئے یہ زکوٰۃ اداء ہوگئی تھی، واپس لینا جائز نہیں تھا، بکر کو واپس دینا لازم ہے، اگر زکوٰۃ کا اظہار مناسب نہ ہو تو بکر پر یوں ظاہر کرے کہ میں نے قرض معاف کر دیا ہے یا ہدیہ کے نام سے واپس دیدے۔

البتہ اگر قرض ہی کی نیت سے زکوٰۃ کی رقم دی تو یہ قرض شمار ہوگی، اس کا واپس لینا اور کسی مستحق کو بنیت زکوٰۃ دینا لازم ہے، اگر کسی فقیر کو اس قرض کی

ایمان کا ذائقہ

حضرت عبداللہ بن معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین کام ایسے ہیں کہ جو شخص ان کو کرے گا وہ ایمان کا ذائقہ چکھے گا، صرف اللہ کی عبادت کرے اور یہ عقیدہ رکھے کہ سوا اللہ کے کوئی عبادت کے لائق نہیں اور اپنے مال کی زکوٰۃ ہر سال اس طرح دے کہ اس کا نفس اس پر خوش ہو اور اس پر آمادہ کرتا ہو (یعنی اس کو روکتا نہ ہو)"۔

وصولی کا وکیل بنا کر اسے کہا جائے کہ آپ وصول کرنے کے بعد اسے بطور زکوٰۃ رکھ لیں تو بھی جائز ہے۔

"نوى الزكاة إلا أنه سماه قرضا جاز في الأصح، لأن العبرة للقلب لا للسان." (شامية: ٦/٧٣٣)

وفيها: "وفي صورتين لا يجوز: الأولى أداء الدين عن العين كجعله ما في ذمة مديونه زكاة لماله الحاضر، بخلاف ما إذا أمر فقيرا بقبض دين له على آخر عن زكاة مال عنده فإنه يجوز." (٢/٢٧١)

مسکین کو قرض معاف کرنے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی:

سوال: ایک شخص کا کسی فقیر پر قرض ہے، اس نے مقروض فقیر سے کہا کہ میں نے تجھے اپنا قرض زکوٰۃ میں معاف کر دیا، اس کے ایسا کہنے سے زکوٰۃ ادا ہو گئی یا نہیں؟ (اسلم۔ تراڑکھل، آزاد کشمیر)

جواب: قرض معاف کرنے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی کیونکہ قرض دیتے وقت زکوٰۃ کی نیت نہیں ہوتی۔ صحیح صورت یہ ہے کہ اس مسکین شخص کو زکوٰۃ کی رقم دے کر اپنے قرض میں واپس لے لی جائے، اگر خوشی سے واپس نہ کرے تو جبراً بھی لے سکتے ہیں، اگر یہ خطرہ ہو کہ وہ واپس نہیں کرے گا تو یہ تدبیر کی جائے کہ اس سے کہا جائے کہ وہ کسی دوسرے شخص کو وکیل بنائے جو اس کی طرف سے زکوٰۃ کی رقم وصول کر کے پھر معطی کا قرض ادا کر دے۔

"وفي صورتين لا يجوز: الأولى أداء الدين عن العين كجعله مافي ذمة مديونه زكاة لماله الحاضر." (شامية: ٢/٢٧١)

"وحيلة الجواز أن يعطي مديونه الفقير زكاته ثم يأخذها عن دينه، ولو امتنع المديون مديده وأخذها، لكونه ظفر بجنس حقه، فإن منعه رفعه للقاضي." (در مختار: ٢/٢٧١)

جن رشتہ داروں کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں:

سوال: زید نے اپنی لڑکی فاطمہ کو جائیداد میں سے کوئی حصہ نہیں دیا، فاطمہ کی شادی کے بعد اولاد بھی ہو گئی، اب زید فاطمہ یا اس کی اولاد کو زکوٰۃ دے سکتا ہے؟ اگر زید کا انتقال ہو جائے تو فاطمہ کے بھائی اس کو یا اس کی اولاد کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں یا نہیں؟ (عبدالرحمٰن۔ مانسہرہ)

جواب: باپ اپنی بیٹی اور اس کی اولاد کو زکوٰۃ نہیں دے سکتا، بھائی اپنی بہن اور اس کی اولاد کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں۔ زکوٰۃ کا وراثت سے کوئی تعلق نہیں، زید کے انتقال کے بعد لڑکی کو اس کا حق وراثت دینا لازم ہے۔ زندگی میں والد اولاد کو جائیداد وغیرہ دینا چاہے تو عام حالات میں لڑکوں اور لڑکیوں کو برابر دینا چاہئے، لڑکیوں کو محروم کرنے کی نیت سے سب جائیداد لڑکوں کو دے دینا ہرگز جائز نہیں، تاہم والد نے زندگی میں فاطمہ کو کچھ دیا ہو یا نہ دیا ہو زکوٰۃ کا وہی حکم ہے جو اوپر بیان ہوا، مندرجہ ذیل رشتہ داروں کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں:

(۱) اصول: یعنی جن سے پیدا ہوا ہے۔ ماں، باپ، دادا، دادی، نانا، نانی وغیرہ۔ سوتیلی ماں اصول میں داخل نہیں، لہٰذا اسے زکوٰۃ دینا جائز ہے۔

(۲) فروع: یعنی اولاد۔ بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی، نواسہ، نواسی وغیرہ۔

(۳) میاں بیوی ایک دوسرے کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے، طلاق کے بعد بھی جب تک عدت نہیں گذر جاتی زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔

"ولا (يصرف) إلى من بينهما ولاد، ولو مملوكا لفقير، أو بينهما زوجية. (در مختار: ٢/٣٤٦)

جو ہاشمی شجرہ نہ رکھتا ہو اس کا زکوٰۃ لینا:

سوال: ہمارا تعلق عباسی خاندان سے ہے، مگر کوئی شجرۂ نسب نہیں، جس سے یقینی طور پر معلوم ہو سکے کہ ہم واقعی عباسی ہیں۔ خاندان میں بعض افراد ایسے غریب یا بیمار ہوتے ہیں جن کا کوئی پرسان حال نہیں ہوتا، کیا ان کو زکوٰۃ دینے اور ان کے لئے لینے کی گنجائش ہے؟ اگر کسی نے دے دی تو ادا ہو جائے گی؟ (نعیم احمد عباسی۔ رحیم یار خان)

جواب: ثبوتِ نسب کے لئے عام شہرت کافی ہے، شجرہ ہونا ضروری نہیں، اس لئے عباسی کو زکوٰۃ دینا اور اس کے لئے لینا جائز نہیں، اس کو زکوٰۃ دینے سے ادا نہیں ہوگی۔

اگر کوئی عباسی حاجت مند ہو تو غیر زکوٰۃ سے اس کے ساتھ تعاون کرنا چاہئے اور اس کو سعادت سمجھنا چاہئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کی اتنی قدر بھی دل میں نہیں کہ مسلمان کہلانے والے اہل ثروت غیر زکوٰۃ سے ان کی مدد کریں تاکہ انہیں لوگوں کا میل کچیل لینے پر مجبور نہ ہونا پڑے۔ فالی اللہ المشتکی.

"ولا يشهد أحد بما لم يعاينه إلا في النسب والموت......" (شامية: ٥/٤٧٠)

زکوٰۃ دینے کے بعد معلوم ہوا کہ وہ مصرف نہ تھا:

سوال: زید ہاشمی ہے، اس کو کسی نے زکوٰۃ دے دی تو اب زید کیلئے کیا حکم ہے؟ جس نے زکوٰۃ دی ہے اس کو واپس کرے یا زکوٰۃ ادا ہو گئی؟ اگر کسی دوسرے غیر مصرف میں زکوٰۃ ادا کر دی مثلاً مالدار کو دیدی تو کیا حکم ہے؟

(حمیداللہ۔ سوات)

جواب: اگر دینے والے نے غور و فکر کے بعد مصرف سمجھ کر زکوٰۃ دی تھی تو اس کی زکوٰۃ ادا ہو گئی، مگر زید کو اس کے زکوٰۃ ہونے کا علم ہو گیا تو اس پر لازم ہے کہ معطی (دینے والے) کو واپس کرے اور معطی دوبارہ زکوٰۃ ادا کرے، اگر واپس کرنا کسی وجہ سے ممکن نہ ہو تو مساکین پر صدقہ کر دے اور اگر غور و فکر کے بغیر زکوٰۃ ادا کی یا غور و فکر کیا اور غیر مصرف ہونے کا گمان ہوا یا شک رہا، اس کے باوجود زکوٰۃ ادا کر دی تو اس صورت میں اگر بعد میں معلوم ہوا کہ وہ مصرف تھا تو زکوٰۃ ادا ہو گئی اور اگر بعد میں معلوم ہوا کہ مصرف نہ تھا تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی۔

"دفع بتحر لمن يظنه مصرفا، فبان غناه أو كونه ذميا...... لا يعيد لأنه أتى بما في وسعه حتى لو دفع بلا تحر لم يجز إن أخطأ." "وفي الحاشية: "ولا يسترد في الولد والغني، وهل يطيب له؟ فيه خلاف، وإذا لم يطب، قيل يتصدق، وقيل يرد على المعطي." (رد المحتار مع الدر: ٢/٣٥٣)

زکوٰۃ کی رقم الگ کر کے فوت ہو گیا:

سوال: زکوٰۃ کی نیت سے رقم الگ کر لی یا وکیل کو دے دی، اس حالت میں ادائیگی سے قبل انتقال ہو گیا تو اس کا کیا حکم ہے؟ (آفتاب احمد۔ باغ، آزاد کشمیر)

جواب: اگر میت نے اس کی وصیت کی ہو تو یہ رقم زکوٰۃ میں دیجائے گی بشرطیکہ کل ترکہ کی ایک تہائی سے زائد نہ ہو، اگر تہائی سے زائد ہو تو صرف تہائی ترکہ کے برابر زکوٰۃ میں ادا کی جائے گی زائد نہیں اور اگر وصیت نہیں کی تو ترکہ میں شمار کر کے ورثہ میں تقسیم ہوگی۔ البتہ وصیت کی صورت میں تمام ورثہ عاقل بالغ ہوں اور دلی خوشی سے تہائی سے زائد دیدیں اور وصیت نہ ہونے کی صورت میں بھی میت کی طرف سے زکوٰۃ ادا کر دیں تو جائز ہے۔

"ولا تؤخذ من تركته بغير وصية، وإن أوصى بها اعتبر من الثلث إلا أن يجيز الورثة."

(در مختار: ٢/٢٩٤)

غیر مسلم کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں:

عیدی کے نام پر زکوٰۃ دینا

زکوٰۃ میں دینے والے کی نیت کا اعتبار ہوتا ہے، منہ سے اگر اسے عیدی کہا جائے اور اسی نام سے مستحق رشتہ داروں کو دی جائے یا خوشخبری سنانے والے کو خوش کرنے کے لئے دی جائے، اسی طرح باغ کا تازہ پھل ہدیہ کرنے والے کو قیمت کے نام سے نہیں بلکہ ویسے ہی اس کو خوش کرنے کے لئے دی جائے اور نیت زکوٰۃ کی ہو تو ان سب صورتوں میں زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے، بشرطیکہ جسے دی جا رہی ہے وہ مستحق زکوٰۃ ہو۔

في الدر: "دفع الزكاة إلى صبيان أقاربه برسم عيد أو إلى مبشر أو مهدي الباكورة جاز إلا إذا نص على التعويض." (٢/٣٥٦)

Scanned with CamScanner

غیر مسلم ذمی ہو یا حربی کو زکوٰۃ وعشر دینا جائز نہیں، البتہ نفلی صدقات، عطیات دینا جائز ہے اور زکوٰۃ وعشر کے علاوہ دوسرے صدقاتِ واجبہ دینا بھی جائز نہیں۔

وفی الشامیة:"قال الرملی:وفی الحاوی:وإن أطعم فقراء أهل الذمة جاز وقال أبو یوسف رحمه الله تعالیٰ لایجوزوبه نأخذ قلت:بل صرح فی کافی الحاکم بأنه لا یجوز،ولم یذکر فیه خلافا وبه علم أنه ظاهر الروایة عن الکل."(۲/۶۳۳)

وفی الدر:وأما الحربی ولو مستأمنا، فجمیع الصدقات لا تجوز له اتفاقا، لکن جزم الزیلعی بجواز التطوع له."وفی الحاشیة:"أی للمستأمن کما تفیده عبارة النهر......لکن رأیت فی المحیط من کتاب الکسب: ذکر محمد فی السیر الکبیر: لا بأس للمسلم أن یعطی کافرا حربیا أوذمیا وأن یقبل الهدیة منه مالماروی أن النبی صلی الله علیه وسلم بعث خمسمائة دینار إلیٰ أهل مکة حین قحطوا وأمر بدفعها إلی أبی سفیان بن حرب وصفوان ابن أمیة لیفرقا علی أهل مکة، ولأن صلة الرحم محمودة فی کل دین ، والإهداء إلی الغیرمن مکارم الأخلاق."(رد المحتار مع الدر:۲/۳۵۳)

بنی ہاشم کو زکوٰۃ دینے کا حکم:

بنو ہاشم یعنی ہاشم کی اولاد میں سے حضرتِ عباس، حضرتِ عقیل، حضرتِ حارث، حضرتِ علی، حضرتِ جعفر رضی اللہ عنہم کی اولاد کو زکوٰۃ نہیں دی جا سکتی ان کے علاوہ باقیوں کی اولاد کو دینا جائز ہے بشرطیکہ مسلمان ہو اور مستحقِ زکوٰۃ ہو۔

فی الشامیة:فإنه(عبد المطلب) أعقب اثنی عشر، تصرف الزکاة إلی أولاد کل إذا کانوا مسلمین فقراء،إلا أولاد عباس و حارث وأولاد أبی طالب من علی و جعفر وعقیل.قهستانی."(۲/۳۵۰)

جس کی صرف ماں سید ہو اس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے:

اگر کسی شخص کی صرف ماں سید ہو باپ سید نہ ہو تو اس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے، کیونکہ نسب والد کی طرف سے ہوتا ہے، والدہ کی طرف سے نہیں۔

فی الشامیة:"من کانت امها علویة مثلا وأبوها عجمی یکون العجمی کفوا لها وإن کان لها شرف ما ، لأن النسب للآباء ولهذا اجاز دفع الزکاة إلیها."(۳/۸۷)

ایسی بیوی کو زکوٰۃ دینا جس کا شوہر کے ذمہ بقدرِ نصاب مہر ہو:

کسی شخص کی بیوی کے پاس، سونا، چاندی، نقدی، مالِ تجارت اور ضرورت سے زائد سامان بقدرِ نصاب نہ ہو لیکن اس بیوی کا شوہر کے ذمہ بقدرِ نصاب مہر لازم ہو خواہ مہر مؤجل ہو یا معجّل، لیکن اگر شوہر دینے کے لئے تیار نہ ہو تو دونوں صورتوں میں اس بیوی کو زکوٰۃ وعشر دینا صحیح ہے، البتہ اگر اس مہر میں سے بقدرِ نصاب معجّل ہو اور شوہر دینے کے لئے تیار بھی ہو تو پھر بیوی کو دینا جائز نہیں۔

فی الشامیة:" فی الفتح:دفع إلی فقیرة لها مهر دین علی زوجها یبلغ نصابا وهو موسر بحیث لوطلبت أعطاها لا یجوز وإن کا لا یعطی لو طلبت، جاز."

وقال......ومال الرحمتی إلی هذا وقال بل فی زماننا یقر المدیون بالدین وبملاءته ولا یقدر الدائن علی تخلیصه منه فهو بمنزلة العدم." وفی الدر:"ومنه ما لو کان مؤجلا."

(رد المحتار مع الدر:۲/۳۴۴)

بیوہ اور یتیم کو زکوٰۃ دینے کا حکم:

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر خاتون بیوہ ہے تو اس کو زکوٰۃ ضرور دینی چاہیے، حالانکہ یہاں بھی شرط یہ ہے کہ وہ مستحقِ زکوٰۃ ہو اور صاحبِ نصاب نہ ہو، اگر بیوہ مستحقِ زکوٰۃ ہے تو اس کی زکوٰۃ کے ذریعہ مدد کرنا اچھی بات ہے لیکن اگر مستحقِ زکوٰۃ نہیں تو محض بیوہ ہونے کی وجہ سے وہ مصرفِ زکوٰۃ نہیں بن سکتی۔

اسی طرح یتیم کو زکوٰۃ دینا اچھی بات ہے لیکن اس میں بھی دیکھنا چاہیے کہ یہ یتیم مستحقِ زکوٰۃ ہے یا نہیں، اگر یتیم صاحبِ نصاب ہے تو یتیم ہونے کے باوجود اس کو زکوٰۃ نہیں دی جا سکتی۔

مطلقہ بیوی کو زکوٰۃ دینا:

بیوی کو جب طلاق دی جائے، رجعی ہو یا بائن، تین طلاق دی ہوں یا تین سے کم تو جب تک عدت نہ گزر جائے اسے زکوٰۃ وعشر اور دوسرے صدقاتِ واجبہ دینا صحیح نہیں، عدت گزرنے کے بعد اسے زکوٰۃ عشر وغیرہ دیا جا سکتا ہے۔

فی الدر:"أو بینهما زوجیة ولو مبانة." وفی الحاشیة:"أی فی العدة ولو بثلاث، نهر عن معراج الدرایة." (رد المحتار مع الدر:۲/۳۴۶)

صاحبِ نصاب طالب علم کو عشر و زکوٰۃ دینا صحیح نہیں:

علومِ دینیہ کی تحصیل میں مصروف طالب علم کو زکوٰۃ وعشر دینا جب صحیح ہے جبکہ وہ مستحق ہو، اگر صاحبِ نصاب ہو تو دینا جائز نہیں، ہاں اگر دورانِ طلبِ علم اس کے پاس خرچ نہ ہو تو اسے زکوٰۃ دینا صحیح ہے، اگرچہ اپنے علاقے میں یہ بقدرِ نصاب اموال کا مالک ہو اور وہاں سے منگوانے کی کوئی صورت بھی نہ ہو تو اسے زکوٰۃ دینا صحیح ہے۔

فی الشامیة: "والأوجه تقییده (طالب العلم) بالفقیر ویکون طلب العلم مرخصالجواز سئواله عن الزکاة وإن کان قادر اعلی الکسب."

وفی الدر:" والغنی لا یمنع من تناولها عند الحاجة، کابن السبیل ، بحر عن البدائع ."

(رد المحتار مع الدر:۲/۳۴۰)

زکوٰۃ وعُشر سے کھانا کھلانا

زکوٰۃ اور عشر کی ادائیگی کے لئے فقیر کو مالکانہ طور پر دینا ضروری ہے، لہٰذا اگر فقراء کو اپنے گھر جمع کر کے عشر یا زکوٰۃ کی رقم سے کھانا کھلائے تو اس سے زکوٰۃ وعشر ادا نہیں ہوگا، البتہ اگر کھانا ان کی ملکیت میں دیدیا جائے اور ان کو یہ بتایا بھی جائے کہ یہ کھانا مالکانہ طور پر آپ کو دیا جاتا ہے، چاہے وہ خود کھالیں یا دوسرے کو دیدیں تو پھر عشر و زکوٰۃ اداء ہو جائیگی۔

فی الشامیة: فلا یکفی فیها الإطعام إلا بطریق التملیک ولو أطعمه عنده ناویا الزکاة لا تکفی."(۲/۳۴۴)

ایمان کی علامت

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے "جو شخص تم میں سے اللہ و رسول پر ایمان رکھتا ہو اس کو چاہئے کہ اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کرے۔" (طبرانی کبیر)

وفی الشامیة: "وابن السبیل إذا کان له فی وطنه مال بمنزلة الفقیر ، بحر." (۳۴۳/۲)

مقروض کو زکوٰۃ وعشر دینا:

جو آدمی اتنا مقروض ہو کہ اگر اس کا قرض منہا کیا جائے تو اس کے پاس بقدر نصاب مال نہ بچے اور نہ اس کے پاس ضرورت سے زائد چیزیں اتنی ہوں کہ وہ نقدی کے ساتھ ملا کر بقدر نصاب بن جائیں تو یہ مستحق زکوٰۃ ہے اور اس کو زکوٰۃ وعشر دینا صحیح ہے۔

نیز زکوٰۃ اور عشر ہر اس شخص کو دینا صحیح ہے جس کے پاس سونا، چاندی، نقدی، مال تجارت اور ضرورت سے زائد سامان میں سے کوئی ایک یا بعض کا مجموعہ یا کل کا مجموعہ بقدر نصاب نہ ہو۔

قرض خواہ کو زکوٰۃ وعشر دینا:

اگر کسی کا دوسرے پر بقدر نصاب قرض ہو تو اسے زکوٰۃ وعشر دینا صحیح نہیں، لیکن یہ جب ہے کہ جب یہ قرض (دین) معجل ہو اور مقروض دینے کے لئے تیار بھی ہو یا مؤجل ہو لیکن مقروض قبل الوقت دینے کے لئے تیار ہو۔

اگر اس کا دوسرے کے اوپر بقدر نصاب قرض ہو لیکن مقروض منکر ہو یا قرض دیتا نہیں یا قرض مؤجل ہو اور مقروض قبل الوقت دینے کے لئے تیار نہیں، تو اس صورت میں اس شخص کو زکوٰۃ وعشر دینا صحیح ہے اور اس کے لئے لینا بشرطیکہ بقدر ضرورت ہو جائز ہے۔

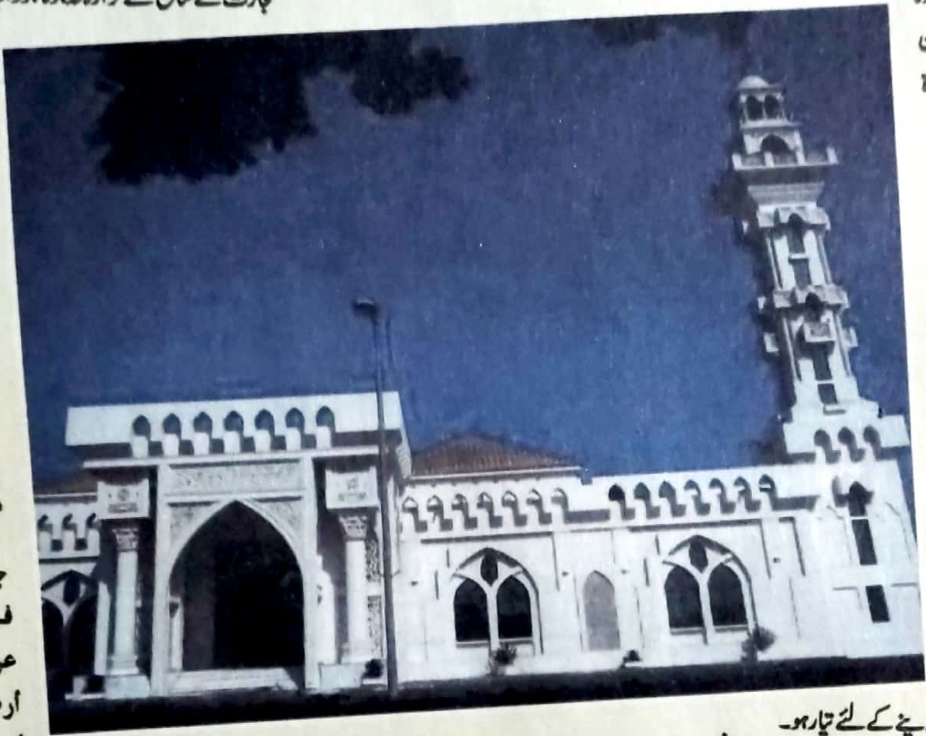
فی الدر مع الشامیة: "ومنه ما لو کان ماله مؤجلا إذا احتاج إلی النفقه یجوز له أخذ الزکاة قدر کفایته إلی حلول الأجل، نهر عن الخانیة. أو (له دین) علی غائب أو معسر أو جاحد ولو له بینة فی الأصح." (۳۴۴/۲)

وفی الشامیة: ......ومال الرحمتی إلی هذا وقال بل فی زماننا یقرا لمدیون بالدین وبملاء ته ولا یقدر والدائن علی تخلیصه منه فهو بمنزلة العدم." (۳۴۴/۲)

وقال: "وفی الفتح أیضاً: ولا یحل له ای لابن السبیل أن یأخذ أکثر من حاجته." (۳۴۳/۲)

فقیر کو مدِ زکوٰۃ میں ملی چیز کا غنی کے لئے استعمال:

فقیر کو کوئی چیز زکوٰۃ میں یا عشر یا دوسرے صدقاتِ واجبہ کی مد میں مل جائے تو اگر وہ یہ چیز کسی غنی صاحب کو مالک بنا کر دے مثلاً اس سے کوئی چیز خریدے اور یہ رقم یا زکوٰۃ میں ملی ہوئی چیز قیمت میں ادا کرے یا ویسے اس کو مالکانہ طور پر دے دے تو غنی کے لئے اس رقم وغیرہ کو استعمال کرنے کی اجازت ہے لیکن اگر اس کو مالک نہ بنائے اباحۃ یا عاریۃً دے دے تو غنی کے لئے اس کا استعمال جائز نہیں، لہٰذا غنی فقیر کے ہاں مہمان ہو اور فقیر مد زکوٰۃ میں ملی ہوئی رقم سے اسے اپنے ساتھ کھانا کھلائے تو یہ جائز



نہیں۔

قال فی الدر: "بخلاف فقیر أباح لغنی أوهاشمی عین زکوۃ أخذ هالا یحل، لأن الملک لم یتبدل." وفی الحاشیه: "لأن المباح له یتنا وله علی ملک المبیح." (۸۰/۵)

منی آرڈر کے ذریعے زکوٰۃ بھیجنے میں فیس زکوٰۃ کی رقم سے اداء کرنا:

منی آرڈر کے ذریعے زکوٰۃ بھیجنا درست ہے اور زکوٰۃ جب اداء ہوگی جب مستحق زکوٰۃ اس کو قبض کرے، منی آرڈر کی فیس زکوٰۃ کی رقم سے دینا درست نہیں، بلکہ یہ فیس اپنے پاس سے علیحدہ دینی چاہیے۔

البتہ اگر کسی جگہ مسکین موجود ہونے کی وجہ سے دوسری جگہ بھیجنا پڑے تو فیس زکوٰۃ سے دے سکتے ہیں۔

فی شرح التنویر: "ولا یخرج عن العهدة بالعزل بل بالأداء للفقراء." (۲۷۰/۲)

غنی کے رشتہ داروں کو زکوٰۃ وعشر دینا:

اگر کوئی شخص غنی، صاحب نصاب ہے تو اس کی نابالغ اولاد کو زکوٰۃ وعشر نہیں دیا جا سکتا، البتہ اس کی مستحق بیوی، والد، بالغ اولاد کو دیا جا سکتا ہے، نیز کسی بچے کا باپ اگر مستحق زکوٰۃ ہے اور ماں صاحب نصاب ہے تو ایسے بچے کو بھی زکوٰۃ وعشر دیا جا سکتا ہے۔

"ان الطفل یعد غنیا بغنی أبیه بخلاف الکبیر فإنه لا یعد غنیا بغنی أبیه ولا الأب بغنی ابنه ولا الزوجة بغنی زوجها ولا الطفل بغنی أمه. حلبی عن البحر." (شامیة: ۳۵۰/۲)

تجارت کے منافع سے گزارہ نہ ہوتا ہو تو ایسے تاجر کو زکوٰۃ دینا:

اگر کسی کا کاروبار ہے، زمین ہے، دکان ہے یا دوسری کوئی تجارت ہے لیکن ان چیزوں کے منافع اتنے نہیں کہ اس سے اس کے اور اس کے بال بچوں کا گزارہ ہو سکے اگرچہ فی نفسہ زیادہ ہو تو ایسے شخص کو زکوٰۃ اور عشر دیا جا سکتا ہے۔

فی الشامیة: سئل عن محمد عن من له أرض یزرعها أوحانوت یستغلها أودار غلتها ثلاثة آلاف ولا تکفی لنفقته ونفقة عیاله سنة؟ یحل له أخذ الزکوة وإن کانت قیمتها تبلغ ألوفا وعلیه الفتوی وعندهما لا یحل." (۳۴۸/۲)

مدِ زکوٰۃ سے دینی کتابیں طبع کرنا:

مدِ زکوٰۃ سے مفید دینی کتابیں صرف طبع کرنے سے زکوٰۃ اداء نہیں ہوتی، البتہ طبع واشاعت کے بعد فقراء ومستحقین کو بلا عوض دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے، بلکہ یہ کتب دینیہ کی اشاعت کا بہترین ذریعہ ہے۔

فی الدر: "فلو أطعم یتیماًنا ویا الزکاة لا یجزیه إلا إذا دفع إلیه المطعوم کما یجزئه لو کساه." (۲۵۷/۲)

عشر اور زکوٰۃ کہاں دینا افضل ہے؟

جس جگہ غلہ یا مال زکوٰۃ موجود ہو اس جگہ کے فقراء ومستحقین کو زکوٰۃ وعشر دینا افضل ہے، دوسری جگہ منتقل کرنا مکروہ تنزیہی ہے، الا یہ کہ دوسری جگہ زیادہ مستحق افراد یا مستحقین رشتہ دار ہوں تو ان کی طرف منتقل کرنا جائز بلکہ افضل ہے کہ اس میں فریضہ کی ادائیگی کے ساتھ صلہ رحمی بھی ہے، نیز اگر قبل از وقت عشر یا زکوٰۃ دے تو اس میں بلا وجہ دوسری جگہ منتقل کرنے

میں بھی حرج نہیں۔

فی الدر: "وكره نقلها إلا إلى قرابة أو أحوج." وفي الحاشية: "والمتبادر منه أن الكراهة تنزيهية تأمل، ويعتبر في الزكاة مكان المال في الروايات كلها." (رد المحتار مع الدر: ۲/۳۵۳)

وفيه: "أو كانت معجلة قبل تمام الحول فلا يكره خلاصة." (۲/۳۵۴)

ایک مستحق کو کتنی رقم دی جائے؟

مستحب یہ ہے کہ مستحق زکوٰۃ کو کم از کم اتنی رقم دی جائے جس سے وہ ایک دن اپنی اور اہل وعیال کی ضروریات پوری کرسکے، نیز ایک مستحق زکوٰۃ کو بقدرِ نصاب یا اس سے زیادہ دینا مکروہ ہے، الا یہ کہ وہ مقروض ہو اور قرض منہا کرنے کے بعد زکوٰۃ کی رقم سے وہ صاحبِ نصاب نہ بنتا ہو یا وہ عیال دار ہو کہ اگر اس کے عیال پر اس رقم کو تقسیم کیا جائے تو ہر ایک کو نصاب سے کم پہنچے تو پھر اس کو مقدارِ نصاب سے زیادہ دینا بھی جائز ہے۔

یہ حکم صرف نقدی کے نصاب کا نہیں بلکہ اموالِ تجارت، مواشی کی زکوٰۃ اور غلہ سے عشر سب کا یہی حکم ہے۔

فی الدر: وكره إعطاء فقير نصابا أو أكثر إلا إذا كان المدفوع إليه مديونا أو كان صاحب عيال بحيث لو فرقه عليهم لا يخص كلا أو لا يفضل بعد دينه نصاب فلا يكره، فتح." وفي الحاشية: ولا فرق بين كونه ناميا أولا ولا بين كونه من النقود أو من الحيوانات." (رد المحتار: ۲/۳۵۳)

وفيه: يندب دفع ما يغنيه يومه عن السؤال، واعتبار حاله من حاجة وعيال." (۲/۳۵۵)

مقدارِ واجب سے زیادہ زکوٰۃ اداء کردی۔

اگر حساب لگاتے وقت غلطی ہو جائے اور مقدارِ واجب سے زیادہ زکوٰۃ ادا کردے، مثلاً ہزار کی بجائے بارہ سو زکوٰۃ دیدے تو اس اضافے کو آیندہ سال زکوٰۃ میں شمار کیا جاسکتا ہے۔

فی الشامية: "وفي الولوالجية: "لو كان عنده أربعمائة درهم فأدى زكاة خمسمائة ظانا أنها كذلك، كان له أن يحسب الزيادة للسنة الثانية، لأنه أمكن أن يجعل الزيادة تعجيلا." (۲/۲۹۳)

کتنی عمر کے بچوں کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے؟

بچے کو زکوٰۃ دینے کی صورت میں ضروری ہے کہ یا تو وہ بچہ خود سمجھدار ہو، کسی چیز کو اپنی ملکیت سمجھے اور اسے بے جا ضائع نہ کرنے کا شعور رکھتا ہو، اگر اتنا سمجھدار نہیں تو اس کے والد کو یا جو بھی اس کی پرورش کرتا ہو اسے دی جائے، ناسمجھ چھوٹے بچے کو زکوٰۃ دینے سے



زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔

فی الدر: "بشرط أن يعقل القبض" في الحاشية: "وفسره في الفتح وغيره بالذي لا يرمي به ولا يخدع عنه، فإن لم يكن عاقلا فقبض عنه أبوه أو وصيه أو من يعوله قريبا أو أجنبيا أو ملتقطه، صح. كما في البحر والنهر." (رد المحتار مع الدر: ۲/۲۵۷)

معتوہ شخص کو زکوٰۃ دینا:

ایسا شخص جو ناقص العقل ہو، اس کی حرکات و سکنات، اٹھنا بیٹھنا، بات کرنے کا انداز اور بات سمجھنے کی صلاحیت ایک عقل مند انسان کی طرح نہ ہو تو اسے زکوٰۃ دینے سے جب ذمہ فارغ ہوگا جب وہ اتنا سمجھدار ہو کہ کسی چیز پر قبضہ کرنے کا شعور رکھتا ہو، ایسا نہ ہو کہ چیز لے کر پھینک دیتا ہو، اگر اس میں اتنا شعور بھی نہیں تو زکوٰۃ کی ادائیگی جب صحیح ہوگی جب اس کا والد یا کوئی ایسا رشتہ دار اس کی طرف سے مالِ زکوٰۃ پر قبضہ کرے جو اس کی کفالت کرتا ہو، ورنہ زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

"في المغرب المعتوه الناقص العقل..... وفيه التفصيل المار في الصبي كما في التاترخانية، وفي عامة كتب الأصول أن حكمه كالصبي العاقل في كل الأحكام." (شامية: ۲/۲۵۸)

زیر کفالت یتیم یا مسکین رشتہ دار کو زکوٰۃ دینا:

جس شخص کی کفالت میں کوئی یتیم یا ایسا رشتہ دار ہو جس کا نفقہ اس شخص پر لازم ہو تو اس کو زکوٰۃ دینے سے اس شرط کے ساتھ زکوٰۃ اداء ہوتی ہے کہ اسے خاص زکوٰۃ ہی کی نیت سے دے اور باقاعدہ مالک بنائے، اگر زکوٰۃ کی نیت سے نہ دے یا اسے مالک نہ بنائے، بلکہ اس رقم سے اپنے ساتھ کھانا کھلائے تو زکوٰۃ اداء نہ ہوگی۔

فی الشامية: " وهذا (أي عدم جواز الدفع إلى من تلزمه نفقته) إذا كان يحتسب المؤدى إليه من النفقة، أما إذا حسبه عن الزكاة فيجزيه، كما في البحر عن الولوالجية ومثله في التاترخانية عن العيون." (شامية: ۲/۲۵۷)

کرایہ کے گھر میں بسانے سے زکوٰۃ اداء نہیں ہوتی:

کسی مستحق زکوٰۃ کو مالِ زکوٰۃ کا مالک بنانے کی بجائے اسے کرایہ کے مکان میں رہائش دی جائے اور اس سے کرایہ نہ لیا جائے تو اس سے زکوٰۃ اداء نہیں ہوتی، بلکہ مال کا مالک بنانا ضروری ہے، ہاں اگر اس سے کرایہ لے کر دوبارہ اسے زکوٰۃ میں دے تو زکوٰۃ اداء ہوجائے گی۔

فی الدر: "فلو أسكن فقيرا داره سنة ناويا، لا يجزيه." وفي الحاشية: "عزاه في البحر إلى الكشف الكبير وقال قبله: والمال كما صرح به أهل الأصول ما يتمول ويدخر للحاجة، وهو خاص بالأعيان فخرج به تمليك المنافع." (رد المحتار مع الدر: ۲/۲۵۷)

زکوٰۃ کے لئے رقم نہ ہو تو قرض لینے کا حکم:

اگر کسی کے ذمہ زکوٰۃ کی ادائیگی لازم ہو لیکن اس کے پاس رقم یا ایسی کوئی چیز نہیں کہ اس سے زکوٰۃ

جو خرچ کرنا ہے قیامت سے پہلے کرلو

ترجمہ: جو میرے خاص ایمان والے بندے ہیں ان سے کہہ دیجئے کہ وہ نماز قائم رکھیں اور ہمارے دیے ہوئے رزق سے خرچ کرتے رہیں، پوشیدہ طور سے بھی اور اعلانیہ بھی، ایسے دن کے آنے سے پہلے جس میں نہ خرید وفروخت ہوگی نہ دوستی ہوگی۔ (سورہ ابراہیم: ۳۱)

ادا کرے تو اس پر زکوۃ کی ادائیگی اس وقت تک لازم نہیں جب تک رقم ملکیت میں نہ آجائے، ہاں اگر قرض لینے کی صورت میں قرض کی ادائیگی کا غالب گمان ہو تو پھر قرض لینے میں حرج نہیں بلکہ افضل ہے، البتہ اگر ادائیگی کی طاقت نہ ہو اور نہ غالب گمان ہو کہ قرض کی ادائیگی کے لئے رقم مہیا ہو جائے گی تو پھر قرض لینے سے اجتناب کرے، جب رقم یا کوئی ایسی چیز حاصل ہو جائے جو زکوۃ میں دی جا سکتی ہو تو زکوۃ اداء کرے،، اگر کئی سال اس طرح گزر گئے ہوں تو سب سالوں کی زکوۃ اداء کرے۔

فی الشامیة: ولو لم یکن عنده مال فاراد أن یستقرض لأداء الزکاة إن کان أکبر رأیه أنه یقدر علی قضائه فالأفضل الاستقراض وإلا فلا لأن خصومة صاحب الدین أشد.“(شامیة: ۲/ ۲۷۲)

زکوۃ تھوڑی اداء کرنا، باقی کو تجارت میں لگانا:

بعض تاجر زکوۃ کا حساب لگا کر یکمشت اداء نہیں کرتے بلکہ اس رقم کو قابل اداء کھاتے میں درج کر دیتے ہیں، پھر تھوڑی تھوڑی کر کے خرچ کر دیتے ہیں اور زکوۃ کی مکمل ادائیگی تک وہ رقم کاروبار میں لگی رہتی ہے، اس طریقے سے زکوۃ تو اداء ہو جائے گی لیکن بلا عذر اس تاخیر کا گناہ ہوگا، البتہ اس صورت میں زکوۃ کی رقم کاروبار میں لگا کر جو منافع کمایا ہے وہ جائز ہے کیونکہ یہ رقم اب تک اس کی ملکیت ہے اور اپنی ملکیت کا منافع جائز ہے۔

فی الشامیة:” فتکون الزکاة فریضة وفوریتها واجبة فیلزم بتأخیرها من غیر ضرورة الإثم، کما صرح به الکرخی والحاکم الشهید فی المنتقی وهو عین ما ذکره الإمام أبو جعفر عن أبی حنیفة أنه یکره فإن کراهة التحریم هی المحمل عند إطلاق إسمها......“(۲/ ۲۷۲)

حساب لگائے بغیر متفرق طور پر زکوۃ دینے کا حکم:

کسی نے مختلف اوقات میں مختلف مساکین کو زکوۃ کی رقم دی لیکن اب اسے معلوم نہیں کہ واجب الاداء زکوۃ مکمل طور پر دی جا چکی ہے یا کچھ باقی ہے؟

ایسی صورت میں غالب گمان کا اعتبار ہے، سوچنے کے بعد جتنی رقم کی ادائیگی کا غالب گمان ہو اسے اداء شدہ تصور کیا جائے اور باقی ماندہ رقم مستحقین کو دی جائے، محض شک سے زکوۃ کی ادائیگی کی ذمہ داری سے بری نہ ہوگا، لہٰذا اگر غالب گمان کسی بھی مقدار کے متعلق نہ ہو تو ازسرنو پوری زکوۃ دینا لازم ہے۔

فی الشامیة:” قلت: وحاصله أنه یتحریٰ فی مقدار المؤدی، کما لو شک فی عدد الرکعات، فما غلب علی ظنه أنه اداه سقط عنه، وأدی الباقی، وإن لم یغلب علی ظنه شئی أدی الکل.“(۲/ ۲۹۵)

پبلسٹی پر زکوۃ کی رقم لگانا:

آج کل بہت سے ادارے زکوۃ اور دوسرے عطیات جمع کرنے کے لئے زکوۃ کی بہت سی رقم پبلسٹی پر خرچ کر دیتے ہیں، حالانکہ پبلسٹی پر رقم لگانے سے زکوۃ اداء نہیں ہوتی، اس لئے کہ زکوۃ کی ادائیگی کے لئے تملیکِ فقیر شرط ہے جو اس میں نہیں پائی جاتی۔

عشر و زکوۃ کو کن چیزوں میں صرف کرنا صحیح نہیں:

ہر اس چیز میں جس میں کسی مستحق زکوۃ کی تملیک (مالک بنانا) نہ پائی جائے، خواہ وہ سرے سے مالک بننے کا اہل نہ ہو یا ہو لیکن مستحق نہ ہو جیسے صاحبِ نصاب شخص تو اس میں زکوۃ وعشر صرف کرنا صحیح نہیں۔



لہٰذا مسجد و مدرسہ کی عمارت میں، رفاہی ادارے مثلاً ہسپتال، اسکول، سڑک وغیرہ بنانے میں، میت کے کفن میں، میت کی طرف سے قرض اداء کرنے میں اگر چہ حالتِ حیات میں اس نے قرض کی ادائیگی کا حکم دیا ہو، زکوۃ وعشر دینا صحیح نہیں اور نہ اس سے ذمہ فارغ ہوتا ہے، کیونکہ اس میں مالک بنانا نہیں پایا جاتا۔

فی الدر:”لا یصرف إلی بناء مسجد ولا إلی کفن میت وقضاء دینه......ولو أذن فمات، فإطلاق الکتاب یفید عدم الجواز وهو الوجه نهر.“ وفی الحاشیه:” لأنه لا بد من کونه تملیکا وهو لا یقع عند أمره بل عند أداء المامور وقبض النائب، وحینئذ لم یکن المدیون أهلا للتملک لموته.“(۲/ ۳۴۵)

مسکین کو قرض معاف کرنے سے زکوۃ کا حکم:

اگر مستحق زکوۃ پر بقدر نصاب یا اس سے زائد قرض ہو تو قرض خواہ کی طرف سے اسے پورا قرض معاف کرنے سے اس قرض کی زکوۃ بھی اداء ہو گئی، الگ دینے کی ضرورت نہیں، لیکن یہ اس وقت ہے کہ پورا قرض معاف کر دے، اگر قرض کا کچھ حصہ معاف کیا تو اس سے زکوۃ ساقط نہیں ہوئی، بلکہ معاف کردہ اور باقی سب کی زکوۃ دینا لازم ہے، پس صاحبِ نصاب مقروض کو قرض معاف کرنے سے بھی زکوۃ ساقط نہیں ہوگی، بلکہ اگر بقدرِ نصاب قرض کا سال پورا ہو گیا ہو تو اس کی زکوۃ الگ دینا لازم ہے۔

فی الدر:”لو ابرأ الفقیر عن النصاب صح وسقط عنه.“ فی الحاشیة:” ولو ابراه عن البعض سقط زکاته دون الباقی ولو نویٰ به الأداء عن الباقی، بحر.“ وفی تحریرات الرافعی:”قوله ولو أبراه: هذا الفرع من موضوع الخلاف کمسألة التصدق التی ذکرها الشارح أیضاً فجزم صاحب البحر بسقوط الزکاة عن القدر المبرأ عنه مبنی علی قول محمد.“ وقال فی الحاشیة فی أرجحیة قول الإمام أبی یوسف ”قوله خلاف للثالث: ”أشار بذلک إلی اعتماد قول أبی یوسف ولذاقدمه قاضیخان وأخره فی الهدایة مع دلیله، وعادته تاخیر المختار عنده علی عکس عادة قاضی خان و صاحب الملتقی.“(رد المحتار مع الدر:۲/ ۲۷۰)

وقال فی الدر:”واعلم أن......أداء الدین عن العین وعن دین سیقبض لا یجوز.“ وفی الحاشیة: ”الثانیة(من صورتی عدم الجواز) أداء دین عن دین سیقبض لما تقدم عن البحر وهو ما لو أبراء الفقیر عن بعض النصاب نا ویا به الأداء عن الباقی، وعلله بأن الباقی یصیر عیناً بالقبض فیصیر مؤدیا بالدین عن العین.“(رد المحتار مع الدر:۲/ ۲۷۱)

مسائلِ عشر

عشر کی مقدار:

عشری زمین اگر بارش، دریا یا قدرتی چشمہ کے پانی سے سیراب کی جاتی ہو تو اس کی پیداوار میں دسواں حصہ لازم ہے، اگر کنویں، ٹیوب ویل یا ان نہروں سے جن کا آبیانہ حکومت کو ادا کیا جاتا ہو سیراب کی جاتی ہو تو اس میں بیسواں حصہ لازم ہے، اگر دونوں قسم کا پانی استعمال ہوتا ہو تو غالب (یعنی مدت کی کثرت) کا اعتبار کیا جائے گا اگر عشری پانی غالب ہے تو دسواں حصہ اگر محنت یا قیمت سے حاصل شدہ پانی غالب ہے تو بیسواں حصہ دینا لازم ہے۔ اگر دونوں برابر ہیں تو دسویں حصے کا تین چوتھائی دینا لازم ہے۔

فی الدر: ویجب (العشر) فی مسقی سماء، أوسیح، ونصفه فی مسقی غرب ودالیة وفی کتب الشافعیة أو سقاه بماء اشتراه وقواعدنا لا تأباه ولو سقی سیحا أوبآلة اعتبرا لغالب ولو استویا فنصفه وقیل ثلاثة أرباعه." فی الحاشیة:" فی الخانیة قال به(ألی الثلاثة الأرباع) الأئمة الثلاثة فیؤخذ نصف کل واحد من الوظیفتین ولا نعلم فیه خلافا." (رد المحتار مع الدر: ۲/۳۲۸)

فیؤخذ بالقول الذی یوجب الأ کثر للا حتیاط۔

اعتبار غلبہٗ ماء کا مطلب:

ایک زمین کو مثلاً تین مہینے سیلاب کے پانی سے سیراب کیا جاتا ہے اور چھ مہینے مشین کے پانی سے تو اگرچہ سیلاب سے سیراب کرنے میں زیادہ پانی صرف ہوتا ہے اور مشین سے سیراب کرنے میں کم، لیکن اعتبار اکثر مدت کا کیا جاتا ہے، لہٰذا اس صورت میں نصف عشر لازم ہوگا۔

ایک تو علامہ شامی نے زیلعی کے حوالے سے اس کی تصریح کی ہے:

ولو استویا اعتبر الغالب: أی اکثر السنة کما مر فی السائمة والعلوفة زیلعی، ای إذا أسامها فی بعض السنة وعلفها فی بعض یعتبر الأکثر." (۲/۳۲۸)

نیز صاحب بدائع نے بھی اس کی تصریح فرمائی ہے:

ولو سقی الزرع فی بعض السنة سیحاً وفی بعضها بآلة یعتبر فی ذلک الغالب لأن للأکثر حکم الکل کما فی السوائم فی باب الزکاة علی مامر." (۲/۵۱٤)

دوسرے یہ کہ اعتبار کثرت وقلت ماء کا نہیں بلکہ کثرت وقلت مؤنہ کا ہے اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں مشین سے سیراب کرنے میں اگرچہ پانی کم ہے لیکن مؤنہ ومشقت اس کی زیادہ ہے۔

"لأن العلة فی العدول عن العشر إلی نصفه فی مسقی غرب ودالیة هی زیادة الکلفة کما علمت وهی موجودة فی شراء الماء....."(شامیة: ۲/۳۲۸)

اس لئے کثرتِ مؤنت کا اعتبار کرتے ہوئے نصف عشر لازم ہوگا۔

وجوبِ عشر

مدیون، نابالغ اور مجنون کی مملوکہ پیداوار میں عشر لازم ہے:

نابالغ ومجنون اور مقروض شخص کی زمین پر بھی عشر لازم ہے۔

فی الدر: ویجب مع الدین وفی أرض صغیر ومجنون." فی الحاشیة:" فلا یشترط فی وجوبه العقل والحریة."(رد المحتار مع الدر: ۲/۳۲٦)

زمین سے جو بھی پیداوار حاصل ہو اس میں عشر لازم ہے:

زمین سے (خواہ مملوکہ زمین ہو یا مباح عام جیسا کہ پہاڑ) جو بھی قدرتی پیداوار حاصل ہو جائے، خواہ وہ کھانے کی چیز ہو یا اس سے لباس بنایا جاتا ہو مثلاً کپاس وغیرہ تو اس میں دسواں حصہ (عشر) مستحقین زکوٰۃ کو مالک بنا کر دینا ضروری ہے۔ بشرطیکہ ۵:۸۸ لیٹر سے کم نہ ہو، اس سے کم پر عشر لازم نہیں۔

"وکذا یجب العشر فی ثمرة جبل أو مفازة إن حماه الإمام." وفی الحاشیة: یدخل فیه القطن لأن الثمر اسم لشئی متفرع من أصل یصلح للأکل واللبس کما فی الکرمانی.....والظاهر أن المراد الحمایة من أهل الحرب والبغاة لاعن کل أحد فإن ثمر الجبل مباح لا یجوزمنع المسلمین عنه."(رد المحتار مع الدر: ۲/۳۲۵)

فی الشامیة: فیجب فیما دون النصاب بشرط أن یبلغ صاعا وقیل نصفه."(۲/۳۲٦)

عشری زمین یا پہاڑ سے حاصل شدہ شہد میں عشر واجب ہے:

عشری زمین، جنگل، پہاڑ یا دوسری مباح عام جگہوں سے شہد مل جائے تو اس میں بھی عشر لازم ہے، جبکہ حاصل شدہ شہد ۵،۸۸ لیٹر یا اس سے زائد ہو، اس سے کم میں عشر لازم نہیں۔

"یجب العشر فی عسل أرض غیر الخراج...... بلا شرط نصاب."(در مختار: ۲/۳۲۵)

فی الشامیة:"فیجب فیما دون النصاب بشرط أن یبلغ صاعا وقیل نصفه." (رد المحتار: ۲/۳۲٦)

عشر کی ادائیگی میں بلاضرورت تاخیر گناہ ہے:

جب فصل حاصل ہو اور عشر لازم ہو جائے تو فوراً دینا لازم ہے، اس میں تاخیر مکروہِ تحریمی اور گناہ ہے، ہاں کسی معقول عذر کی وجہ سے ہو تو حرج نہیں، لیکن عذر ختم ہوتے ہی اس کی ادائیگی کا اہتمام کرنا چاہیے۔

"واما الکیفیة فما تقدم فی الزکاة أنه علی الفور أم علی التراخی."(بحر: ۲/۲۳)

قال فی الدر:"والفتراضها(الزکاة) عمری وقیل فوری ای واجب علی الفور وعلیه الفتویٰ فیأثم بتاخیر ها بلا عذر."(۲/ ۲۷۱، ۲۷۲)

کاریز کے پانی میں نصف عشر ہے:

جو زمین کاریز کے پانی سے سیراب ہو اس میں نصف عشر لازم ہے۔

فی الشامیة:"(قوله وقواعد نا لا تأباه) لأن العلة فی العدول عن العشر إلی نصفه فی مسقی غرب ودالیة هی زیادة الکلفة کما علمت

اپنی پسندیدہ چیز راہ خدا میں خرچ کرو

ترجمہ: اے مسلمانو! تم نیکی کو حاصل نہ کرسکو گے، یہاں تک کہ اس چیز کو خرچ نہ کرو جو تم کو محبوب ہو۔

(سورۃ آل عمران: ۹۲)

وھی موجودۃ فی شراء الماء."(۲/۵۵)

گھر کے احاطے کے اندر درختوں کے پھلوں پر عشر کا حکم:

رہائشی گھر کے احاطے کے اندر پائے جانے والے درختوں کے پھلوں یا اگنے والی سبزی پر عشر لازم نہیں، اگرچہ اس کی پیداوار زیادہ کیوں نہ ہو۔ ہاں اگر کوئی گھر مستقل طور پر باغ میں تبدیل کر دیا جائے تو پھر ان پھلوں پر عشر لازم ہے۔

فی الشامیۃ:" وخروج ثمرۃ شجر فی دار رجل ولو بستانا فی دارہ لأنہ تبع للدار کذا فی الحاشیۃ عن القہستانی."(رد المحتار:۲/۳۲۵)

وفیہا:"قید بجعلہا بستانا لأنہ لو لم یجعلہا بستانا وفیہا نخل تغل اکرارا لا شئ فیہا، بحر وکذلک ثمر بستان الدار لأنہ تابع لہا کما فی قاضی خان، قہستانی."(۲/۳۳۰)

وفی الدر:"وأخذ عشر، إن سقاھا(دار جعلت بستانا) المسلم بمائہ."(۲/۳۳۰)

عشر سے مصارف منہا کرنے کا حکم:

عشر زمین کی کل پیداوار سے نکالا جائے گا، پیداوار کے حاصل کرنے پر جو مصارف ہوئے ہیں ان کو منہا نہیں کیا جائیگا، البتہ پیداوار حاصل ہونے کے بعد عشر مستحقین تک پہنچانے پر جو اخراجات آئیں وہ عشر سے منہا کئے جا سکتے ہیں۔ لأنہ من مصارف العشر لا من مؤن الزرع. لیکن یہ اخراجات اس صورت میں آسکتے ہیں کہ پیداوار حاصل ہونے کی جگہ میں مستحقین نہ ہوں، اگر وہاں مستحقین موجود ہوں تو عشر انہی کو دینا چاہیے، ایسی صورت میں عشر اگر دوسری جگہ منتقل کیا جائے تو ظاہر ہے اس پر جو مصارف آئینگے وہ عشر کے لازمی مصارف نہیں ہیں، ان کو عشر سے منہا نہیں کیا جانا چاہیے۔

فی الدر:" بلا رفع مؤن أی کلف الزرع وبلا إخراج البذر."(۲/۳۲۸) وفی التاتار خانیۃ: "وفیما إذا کانت الأرض عشریۃ فاخرجت طعاما وفی حملہا إلی الموضع الذی یعشر فیہ مؤنۃ فإنہ یحمل إلیہ ویکون المؤنۃ منہ."(۲/۳۲۸)

قرض کی وجہ سے عشر ساقط نہیں ہوتا:

اگر کسی کے ذمے قرض ہو اگرچہ بہت زیادہ ہو، پیداوار حاصل ہونے کی صورت میں اس پر عشر دینا لازم ہے، قرض کی وجہ سے عشر ساقط یا کم نہ ہوگا۔

"ولا یمنع الدین وجوب عشر وخراج."(در مختار:۲/۲۶۱)

قبل از وقت عشر نکالنا:

اگر فصل کاشت کرنے سے پہلے یا درخت لگانے سے پہلے عشر نکالا تو یہ بالاتفاق صحیح نہیں، غلہ اور پھل حاصل ہونے کے بعد دوبارہ عشر کی ادائیگی لازم ہے، اگر فصل کاشت کرنے، درخت لگانے کے بعد، فصل اگنے اور پھل ظاہر ہونے سے پہلے عشر اداء کیا تو اس میں اختلاف ہے، عدم جواز راجح ہے، لہٰذا غلہ اور پھل حاصل ہونے کے بعد دوبارہ عشر کی ادائیگی لازم ہے۔

اگر فصل اگنے اور پھل ظاہر ہونے کے بعد عشر اداء کیا اگرچہ فصل میں دانے نہیں آئے اور پھل پکا نہیں تو عشر کی ادائیگی صحیح ہے، غلہ حاصل ہونے اور پھل پک جانے کے بعد دوبارہ عشر کی ادائیگی کی ضرورت نہیں۔

فی الدر:" ولو عجل عشر أرضہ أو ثمرہ بعد الخروج قبل الإدراک. (أی فھو جائز) واختلف فیہ قبل النبات وخروج الثمرۃ والأظہر عدم الجواز."

وفی الحاشیۃ:"وأفاد أن التعجیل قبل الزرع أو قبل الغرس لا یجوز إتفاقاً لأنہ قبل وجود السبب کما لو عجل زکلۃ المال قبل ملک النصاب."(رد المحتار مع الدر:۲/۲۹۳، ۲۹۴)

کئی سال تک عشر اداء نہیں کیا:

عشر پیداوار پر ایک شرعی فریضہ ہے، نہ یہ زمانہ گزرنے سے ساقط ہوتا ہے اور نہ ہی مرنے سے، لہٰذا اگر کسی شخص نے کئی سال تک عشر اداء نہیں کیا تو اگر زندہ ہے تو اس پر ادائیگی لازم ہے، اگر مر جائے تو اس کے ترکہ سے وصول کیا جائے گا، جب تک عشر کی ادائیگی نہ ہو جائے ورثہ ترکہ تقسیم نہ کریں۔

اگر پیداوار حاصل ہونے کے بعد کسی غیر اختیاری آفت کی وجہ سے ضائع ہو جائے تو اس کا عشر لازم نہیں۔

فی الدر:" من علیہ عشر أو خراج و مات أخذ من ترکتہ وفی روایۃ لا بل یسقط بالموت، والأول ظاہر الروایۃ."(۲/۳۳۲)

وفیہ:"ویسقطان بھلاک الخارج."(۲/۳۳۳)

عشر کی بعض خاص صورتیں

فروخت شدہ فصل اور زمین کے عشر کا حکم:

صرف فصل فروخت کرنے کی صورت میں اگر فصل پکنے سے پہلے فروخت کی تو عشر خریدار پر ہے، خواہ وہ ابھی کاٹ لے یا زمین کے مالک کی رضامندی سے اسے پکنے تک زمین ہی پر چھوڑ دے اور اگر فصل پکنے کے بعد فروخت کی تو عشر مالک زمین پر ہے۔

اگر فصل کے ساتھ زمین بھی فروخت کی تو اس میں بھی یہی تفصیل ہے۔ دونوں صورتوں میں اگر فصل پکنے سے پہلے پہلے خریدار نے فصل کاٹ لی تو عشر مالک پر ہے۔

فی الدر:"ولو باع الزرع إن قبل إدراکہ فالعشر علی المشتری ولو بعدہ فعلی البائع." فی الحاشیۃ:" وشمل ما إذا باعہ وترکہ المشتری بإذن البائع حتی أدرک فعند ھما عشرہ علی المشتری."(رد المحتار مع الدر:۲/۳۳۲)

وفی البدائع:"ولو باعہا والزرع بقل فإن فصلہ المشتری للحال فعشرہ علی البائع أیضاً لتقرر الوجوب فی البقل بالفصل، وإن ترکہ حتی أدرک فعشرہ علی المشتری فی قول أبی حنیفۃ ومحمد رحمہما اللہ تعالیٰ لتحول الوجوب من الساق إلی الحب."(۲/۵۷)

زمین اجارے پر دینے کی صورت میں عشر کا حکم:

عشری زمین اگر اجارہ پر دی جائے تو عشر واجب ہونے میں دو قول ہیں: امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک زمیندار (مالک زمین) پر ہے اور صاحبین رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک مستاجر پر ہے، لیکن علامہ شامی نے تطبیق دی ہے کہ اجرت مثل یا اس سے زیادہ وصول کیا جائے تو پھر زمیندار پر ہے، اگر اس سے کم اجرت طے کر لی جائے تو پھر مستاجر پر ہے اور یہی مفتیٰ بہ ہے۔

فی الدر:"والعشر علی المؤجر کخراج مؤظف وقالا علی المستاجر کمستعیر مسلم." وفی الحاشیۃ:" فإن أمکن أخذ الأجرۃ(أی اجرۃ المثل) کاملۃ یفتی بقول الإمام وإلا فبقولہما لما یلزم علیہ من الضرر الواضح الذی لا یقول بہ أحد."(۲/۳۳۴)

زمین عاریۃً دینے کی صورت میں عشر کا حکم:

اگر مسلمان شخص کو زمین عاریت کے طور پر بلا اجرت کاشت کے لئے دی گئی تو اس کا عشر بطور عاریت لینے والے پر ہے، اگر کسی غیر مسلم کو زمین عاریۃً دی تو عشر مالک زمین پر ہے کیونکہ غیر مسلم تو عشر کی ادائیگی کی اہلیت نہیں رکھتا، اگر مالک پر بھی عشر لازم نہ ہو تو فقراء کا حق ساقط ہوگا، لہٰذا حق فقراء کو ضائع ہونے سے بچانے کے لئے مالک زمین پر عشر لازم ہے۔

فی الدر:"وقالا:(العشر) علی المستاجر کمستعیر مسلم." فی الحاشیۃ:" قید بالمسلم لأنہ لو استعارھا ذمی فالعشر علی المعیر اتفاقاً لتفویتہ حق الفقراء بالإعارۃ من الکافر کذا فی شرح درر البحار أی لکونہ لیس أھلا للعشر."(رد المحتار مع الدر:۲/۳۳۴)

مزارعت کی صورت میں عشر کا حکم:

مزارعت (بٹائی پر زمین دینے) کی صورت میں اگر عقد اس طرح طے ہو کہ زمین ایک کی ہو باقی چیزیں دوسرے کی طرف سے ہوں یا عمل ایک کی طرف سے ہو باقی چیزیں زمین وغیرہ دوسرے کی طرف سے یا زمین اور تخم ایک کی طرف سے ہو باقی چیزیں دوسرے کی طرف سے تو یہ مزارعت صحیحہ کی صورتیں ہیں، ان سب صورتوں میں عشر ہر ایک (زمیندار اور مزارع) پر اپنے حصہ کے بقدر لازم ہے، پھر انہیں اختیار ہے، چاہے عشر نکال کر غلہ تقسیم کریں یا غلہ تقسیم کر کے ہر ایک

اپنے حصے کا عشر نکالے۔

ان تین صورتوں کے علاوہ کوئی صورت ہو تو یہ مزارعت فاسدہ ہے، اس میں اگر تخم مالکِ زمین کی طرف سے ہو تو عشر بھی اسی پر لازم ہے، اگر تخم مزارع کی طرف سے ہو تو پھر یہ کاشت کے لئے زمین اجارہ پر دینے کے حکم میں ہے، لہٰذا مالکِ زمین کا حصہ اگر اجرتِ مثل کے بقدر یا اس سے زیادہ ہے تو عشر اسی پر لازم ہے اور اگر اس سے کم ہے تو پھر عشر مزارع پر ہے۔

فی الشامیة:" فی البحر والمجتبیٰ والمعراج والسراج والحقائق والظهيرية وغيرها من أن العشر على رب الأرض عنده عليهما عندهما...... وهو الظاهر لما فى البدائع من أن المزارعة جائزه عندهما والعشر يجب فى الخارج والخارج بينهما فيجب العشر عليهما...... فكان ينبغى للشارح متابعة ما فى أكثر الكتب."(٢/٣٣٥)

وقال:"فإن أمكن أخذ الأجرة (أى اجرة المثل) كاملة يفتى بقول الإمام (أن العشر على المؤجر) وإلا فبقولهما (أن العشر على المستاجر) لما يلزم عليه من الضرر الواضح الذى لا يقول به أحد."(٢/٣٣٤)

ارضِ مغصوب میں عشر کا حکم:

جو زمین غصب کی جائے تو اس کا عشر غاصب ہی پر لازم ہے۔(احسن الفتاویٰ:٤/٣٦٨)

تجارت کی نیت سے خریدی گئی زمین کا حکم:

اگر تجارت کی نیت سے زمین خریدی اور اس پر کاشت کر کے غلہ حاصل کیا تو اس غلہ میں عشر لازم ہے، زمین کی قیمت میں زکوٰۃ نہیں، ہاں اگر اسے ویسے رکھا جائے کوئی چیز اس میں کاشت نہ کی جائے تو پھر زمین کی قیمت میں ڈھائی فیصد کے حساب سے زکوٰۃ لازم ہے۔

فی الدر:"لو شریٰ أرضا خراجية نا ويا التجارة أوعشر ية وزرعها...... لا تكون للتجارة لقيام المانع وهو الثنى." وفى الحاشية:"إذا لم يزرعها تجب زكاة التجارة فيها لعدم وجوب العشر فلم يوجد المانع."(رد المحتار مع الدر:٢/٢٧٤)

بھوسہ، سوکھی گھاس وغیرہ میں عشر کا حکم:

زمین سے حاصل شدہ پیداوار میں تو عشر لازم ہے لیکن جو چیز ویسے تبعاً حاصل ہو جائے جیسے بھوسہ، سوکھا چارہ وغیرہ جس سے اناج نکال گیا ہو تو اس میں عشر نہیں، ہاں اگر ان چیزوں کو مقصودی طور پر حاصل کیا جائے مثلاً دانہ پڑنے سے پہلے پہلے بھوسہ وغیرہ حاصل کرنے کے لئے فصل کاٹی جائے یا جیسے بعض چارے باقاعدہ کاشت کئے جاتے ہیں تو پھر انہیں عشر لازم ہے۔

فی الدر:"لا فيما لا يقصد به استغلال الأرض نحو حطب وقصب......"وفى الحاشية:" لو فصله قبل انعقاد الحب وجب العشر فيه لأنه صار هو المقصود."(رد المحتار مع الدر:٢/٣٢٧)

عشری زمین میں لگے ہوئے درختوں میں عشر کا حکم:

عشری زمین کی پیداوار میں اور اس میں لگے ہوئے پھلدار درختوں کی پیداوار میں تو عشر لازم ہے، لیکن خود ان درختوں میں زمین کی پیداوار ہونے کے باوجود عشر نہیں، اگرچہ اس کو کاٹ کر فروخت بھی کیا جائے یا اپنے کام میں لائے جائیں۔

فی تنقيح الحامديه: سئل فيما إذا كان لرجلين أشجار مثمرة فقطعا ها وانتفعا بحطبها فهل لا عشر عليهما؟

الجواب:نعم لا عشر فى الأشجار لأنها بمنزلة جزء الأرض ولهذا اتبعها فى البيع، كما فى الزيلعى والبحر وغيرهما من باب العشر وعليه أفتى الشيخ اسماعيل."(١/٨)

ہاں اگر یہ درخت اسی مقصد کے لئے لگائے گئے ہوں کہ ہر سال یا کچھ مدت بعد ان کو کاٹا جائے گا، فروخت کیا جائے گا یا اپنے کام میں لایا جائے گا تو پھر اس میں کٹنے کے بعد عشر لازم ہے اور اس کا یا اس کی قیمت کا (جہاں یہ درخت ہیں وہاں کی قیمت یا اس کے آس پاس کی قیمت کے اعتبار سے) عشر دینا لازم ہے۔

"اقول: قوله لا عشر فى الأشجار يعنى المثمرة التى لم تعد للقطع بخلاف ما أعد للقطع فى كل سنة ففيها العشر كما يأتى عن الخانية بخلاف نفس الثمر فإن فيه العشر أيضا كما يأتى. (تنقيح الحامدية:١/٨)

زمیندار مزارع کے حصے سے جراً عشر نکالے:

چونکہ مزارعین میں دینداری کم ہے، اگر ان کا حصہ تقسیم کر کے ان کے حوالہ کر دیا گیا تو ان سے اداء عشر کی امید نہیں، اس لئے زمیندار پر لازم ہے کہ مشترک پیداوار سے عشر نکالنے کے بعد مزارع کو اس کا حصہ تقسیم کر کے دے۔

(والمسئله فى احسن الفتاویٰ مخرجة:٤/٣٦٣)

تجارت کی نیت سے افیون کی کاشت کرنے میں زکوٰۃ کا حکم:

زمین پر افیون (اور اس طرح کی دوسری قیمتی چیزیں) اس نیت سے کاشت کی جائیں کہ پیداوار حاصل کر کے اسے فروخت کیا جائے تو عشر لازم ہے، زکوٰۃ لازم نہیں، اسی طرح تجارت کے لئے افیون کے حاصل کردہ بیج کو زمین پر کاشت کرنے کی صورت میں بھی عشر لازم ہے، زکوٰۃ نہیں۔

فی الشامية:" وخرج أى بقيد العقد ما إذا دخل من أرضه حنطة تبلغ قيمتها نصابا ونوى أن يمسكها ويبيعها فامسكها حولا لا تجب فيها الزكاة...... وكذا الواشترىٰ بذر التجارة وزرعها فى أرض عشر...... إنما عليه حق الأرض من العشر أوالخراج."(٢/٢٦٨)

عشر کی ادائیگی سے پہلے غلہ کا استعمال:

جب تک عشر ادا نہ کیا جائے غلے کا استعمال جائز نہیں، البتہ اگر کسی وجہ سے تاخیر ہو جائے اور دل میں عزم ہو کہ عشر ادا کرے گا اور غلہ کے استعمال کی ضرورت ہو تو پھر استعمال کی گنجائش ہے، لیکن عشر کی ادائیگی جلد از جلد لازم ہے۔

فی الدر:" ولا ياكل من طعام العشر حتى يؤدى العشر." وفى الحاشية:" لا يحل الأكل من الغلة قبل أداء الخراج وكذا قبل أداء العشر إلا إذا كان المالك عازما على أداء العشر، وهو تقييد حسن."(رد المحتار مع الدر:٢/٣٣٢)

سمندر سے برآمد ہونے والی چیزیں:

جو چیزیں سمندر سے برآمد ہوئی ہوں مثلاً، موتی، عنبر، مچھلی وغیرہ، ان میں عشر لازم نہیں۔

فاما المستخرج من البحر...... فلا شئى فيه فى قول أبى حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالىٰ وهو للواجد."(شامية:٢/٦٨)

کن کن رشتہ داروں کو عشر وزکوٰۃ دی جا سکتی ہے؟

اصول یعنی جن سے پیدا ہوا ہے، جیسے: والد، دادا، دادی، نانا، نانی وغیرہ، فروع یعنی جو اس سے پیدا ہوئے ہیں، جیسے: اولاد اور اولاد کی اولاد کو، اسی طرح بیوی، شوہر کا ایک دوسرے کو زکوٰۃ دینا صحیح نہیں، اس کے علاوہ باقی سب رشتہ داروں کو عشر وزکوٰۃ دی جا سکتی ہے، سوتیلی ماں کو بھی عشر دینا جائز ہے۔

فی الدر:"ولا إلى من بينهما ولاد أوبينهما زوجية."(٢/٣٤٦)

مال کی زکوٰۃ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس شخص نے اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کر دی اس سے اس کی برائی جاتی رہی (یعنی زکوٰۃ نہ دینے سے جو مال میں نحوست اور گندگی آ جاتی ہے وہ نہیں رہی)"۔

(طبرانی اوسط ابن خزیمہ صحیح)

صدقۂ فطر

شرائطِ وجوب

صدقۂ فطر کس شخص پر واجب ہے؟

صدقۂ فطر ہر اس آزاد مسلمان پر واجب ہے جو حاجات اصلیہ (مکان، لباس، سواری، ضروری ہتھیار وغیرہ) سے زائد نصاب کا مالک ہو، اس میں عاقل و بالغ ہونا شرط نہیں۔ (الجوہرۃ النیرۃ: ۱/ ۱۷۰)

بہت سے لوگ سمجھتے ہیں کہ صدقۂ فطر صرف اس شخص پر فرض ہے جس کے ذمہ زکوٰۃ اداء کرنا فرض ہے، حالانکہ یہ درست نہیں، زکوٰۃ تو صرف سونے، چاندی، مال تجارت اور نقدی میں فرض ہوتی ہے، جبکہ صدقۂ فطر کے وجوب میں زائد از ضرورت اشیاء کو بھی شامل کرنا ضروری ہے، بس اگر کسی کی ملکیت میں اموال زکوٰۃ بالکل موجود نہیں لیکن زائد از ضرورت اشیاء نصاب (٦٨٠،٤ گرام چاندی یا ۹۷،۲ گرام سونے کی قیمت) کی مقدار میں ہیں، یا اموال زکوٰۃ مقدار نصاب سے کم مالیت کے ہیں لیکن زائد از ضرورت اشیاء کو ملانے سے ان کی مجموعی مالیت نصاب کو پہنچ جاتی ہے تو ان دونوں صورتوں میں صدقۂ فطر اداء کرنا واجب ہے۔ (الجوہرۃ النیرۃ: ۱/ ۱۷۰)

لوگوں میں ایک بات مشہور ہے کہ صدقۂ فطر کی ادائیگی صرف اس شخص پر واجب ہے جو روزے رکھے۔ سو اس کی کوئی اصل نہیں۔ صدقۂ فطر ہر صاحب نصاب مسلمان پر واجب ہے۔ (نصاب کی تفصیل اوپر لکھ دی گئی) خواہ اس نے روزے رکھے ہوں یا نہ رکھے ہوں اور روزہ نہ رکھنا کسی عذر سے ہو یا بلا عذر، صدقۂ فطر بہر صورت اس پر واجب ہے۔

"وأما العقل والبلوغ فليسا من شرائط الوجوب فى قول أبى حنفية وأبى يوسف حتى تجب صدقة الفطر على الصبى والمجنون إذا كان لهما مال ويخرجها الولى من مالهما." (بدائع: ۲/ ۵۳۵)

"تجب على كل حر مسلم ولو صغيرا أو مجنونا ذى نصاب فاضل عن حاجته الأصلية وإن لم ينم." (التنوير مع شرحه: ۲/ ٣٦٠)

"وكذلک وجود الصوم فى شهر رمضان ليس بشرط لوجوب الفطرة حتى إن من أفطر لكبر أو مرض أو سفر يلزمه صدقة الفطر لأن الأمر بأدائها مطلق عن هذا الشرط، ولأنها تجب على من لا يوجد منه الصوم وهو الصغير." (بدائع: ۲/ ۵۳۵)

صدقۂ فطر کب اداء کیا جائے؟

مستحب تو یہ ہے کہ صدقۂ فطر نماز عید سے پہلے اداء کر دیا جائے تاکہ غریب اور نادار مسلمان بھی مالداروں کے ساتھ عید کی خوشی میں شریک ہوں، لیکن کسی نے ادائیگی میں تاخیر کر دی تو صدقۂ فطر اس سے ساقط نہ ہوگا، عمر بھر اس کے ذمہ واجب رہیگا، جب بھی اداء کرے یہ اداء ہی ہوگا نہ کہ قضاء۔ اگر اداء کئے بغیر موت کا وقت آ گیا تو وصیت کرنا واجب ہے، جو تہائی ترکہ میں نافذ ہوگی۔ وصیت نہ کرنے کی صورت میں ورثہ کے ذمہ کچھ نہیں، ہاں بالغ ورثہ تبرعاً اداء کریں تو درست ہے۔

صدقۂ فطر واجب ہونے کے بعد ادائیگی میں سستی کی، حتیٰ کہ مال ضائع ہو گیا تو بھی صدقۂ فطر ذمہ میں واجب رہے گا، بخلاف زکوٰۃ و عشر کے کہ وہ مال تلف ہونے کی صورت میں ساقط ہو جاتے ہیں۔

"ويستحب إخراجها قبل الخروج إلى المصلى بعد طلوع الفجر."

"فلا تسقط الفطرة وكذا الحج بهلاک المال بعد الوجوب."

"إذا مات من عليه زكاة أو فطرة أو كفارة أو نذر لم تؤخذ من تركته عندنا إلا أن يتبرع ورثته بذلک وهم من أهل التبرع ولم يجبروا عليه وإن أوصى تنفذ من الثلث." (شامية: ۲/ ۳۵۹)

صدقۃ الفطر عید کے دن سے کتنا پہلے دیا جا سکتا ہے؟

اس میں راجح اور مفتی بہ یہی ہے کہ جب بھی چاہے صدقۃ الفطر دیا جا سکتا ہے، لہٰذا رمضان کے مہینے سے پہلے پہلے اداء کرنا بھی صحیح ہے، بلکہ اگر کئی سالوں کا صدقۃ الفطر ایک ساتھ دے تو بھی جائز ہے۔

فى الشامية: "قلت: وحيث كان فى المسالة قولان مصححان يخير المفتى با العمل بايهما شاء إلا إذا كان لأحدهما مرجح ككونه ظاهر الرواية أو مشى عليه أصحاب المتون والشروح...... وقد جمعت هذه المرجحات للقول بالإطلاق فلا يعدل عنه فافهم." (۲/ ٣٦٧)

صدقۃ الفطر متفرق طور پر دینا:

صدقۃ الفطر میں دونوں طریقے جائز ہیں، خواہ ایک آدمی کا صدقۃ الفطر متعدد مستحقین پر تقسیم کیا جائے یا ایک ہی مسکین کو دیا جائے، البتہ ایک مسکین کو دینا بہتر ہے، اسی طرح متعدد اشخاص کا ایک مسکین کو دینے میں بھی کوئی حرج نہیں۔

فى الدر: "وجاز دفع كل شخص فطرة إلى مسكين أو مسكينين على ما عليه الأكثر وبه جزم فى الولوالجية والخانية والبدائع والمحيط، فكان هو المذهب كتفريق الزكاة. والأمر فى حديث أغنوهم. للندب، فيفيد الأولوية، كما جاز دفع صدقة جماعة إلى مسكين واحد بلا خلاف."

(الدر المختار: ۲/ ٣٦٧)

صدقۂ فطر کس کی طرف سے واجب ہے؟

صدقۂ فطر اپنی طرف سے اور اپنی نابالغ اولاد کی طرف سے اداء کرنا واجب ہے، نابالغ بچوں میں کوئی صاحب نصاب ہے تو فطرانہ اسی کے مال میں سے دیا جائے اور یہی حکم مجنون اولاد کا ہے۔ (ہدایہ مع فتح القدیر: ۲/ ۲۲۰)

درج ذیل رشتہ داروں کی طرف سے صدقۂ فطر اداء کرنا واجب نہیں:

بیوی، بالغ اولاد، والدین، بہن، بھائی و دیگر اعزہ گو کہ اس کے عیال میں ہوں (اس کے زیر کفالت ہوں) البتہ اپنی بالغ اولاد اور بیوی کا صدقہ ان سے اجازت لئے بغیر بھی اداء کر دیا تو اداء ہو جائے گا، بشرطیکہ بالغ اولاد اس کے عیال میں ہو، ورنہ صدقہ اداء نہ ہوگا اور باقی رشتہ داروں میں کسی کی طرف سے بھی بلا

صدقۂ فطر کب واجب ہوتا ہے؟

صدقۂ فطر عید الفطر کی صبح صادق کے وقت واجب ہوتا ہے، لہٰذا صبح صادق سے پہلے جو بچہ پیدا ہوا یا کافر مسلمان ہو گیا یا فقیر مالدار ہو گیا تو ان پر صدقۂ فطر واجب ہے۔

اسی طرح صبح صادق کے بعد جو شخص فوت ہوا یا مالدار فقیر بن گیا اس پر بھی صدقۂ فطر واجب ہے۔ اس کے برعکس جو شخص صبح صادق سے پہلے فوت ہو گیا یا مالدار فقیر بن گیا تو ان پر صدقۂ فطر واجب نہیں، اسی طرح صبح صادق کے بعد جو بچہ پیدا ہوا یا کافر مسلمان ہوا تو ان پر بھی واجب نہیں۔ (فتاویٰ عالمگیریہ: ۱/ ۱۹۲)

واما وقت وجوب صدقة الفطر هو وقت طلوع الفجر الثانى من يوم الفطر...... ومن مات قبل طلوع الفجر لم تجب فطرته وإن مات بعده وجبت." (بدائع: ۲/ ۵۴۴)

اجازت اداء کرنے سے اداء نہ ہوگا۔
(فتاویٰ عالمگیریہ:۱/۱۹۲)

ماں کے ذمہ بچوں کا فطرانہ نہیں، خواہ وہ مالدار ہی ہو۔(ردالمحتار: ۲/ ۳۶۱)

نابالغ اور مجنون اگر صاحب نصاب تھے اور ان کے سرپرست نے ان کے مال سے صدقۂ فطر اداء نہ کیا تو بالغ ہونے پر اور جنون زائل ہونے پر دونوں کے ذمہ گزشتہ سالوں کا صدقۂ فطر اداء کرنا واجب ہے۔ ہاں اگر یہ دونوں صاحب نصاب نہ تھے اور ان کے سرپرست نے بھی ان کی طرف سے اداء نہ کیا تو ان کے ذمہ کچھ نہیں۔(بدائع الصنائع:۲/۹۲)

واما العقل والبلوغ فليسا من شرائط الوجوب فی قول ابی حنيفة وابی يوسف حتی تجب علی الصبی والمجنون إذا كان لهما مال ويخرجها الولی من مالهما."(شامية:۲/۳۵۹)

"لا عن زوجة وولده الكبير العاقل ولو أدی عنهما بلا إذن أجزأ استحسانا للإذن عادة، ای لو فی عياله وإلا فلا."(تنوير:۲/۳۶۳)

"وأشار إلی أنها لا تجب أيضا علی الإبن عن أبيه ولو فی عياله إلا إذا كان فقيراً مجنونا كما فی البحر والنهر......لكن حكی فی جامع الصفار الإجماع علی الوجوب (إذا كان الأب فقيراً مجنونا) معللا بوجود الولاية والمؤنة جميعا."(شامية:۲/۳۶۳)

"فی البدائع أن الصبی الغنی إذالم يخرج وليه عنه ففی أصل ابی حنيفة وابی يوسف أنه يلزمه الأداء لأنه يقدر عليه بعد البلوغ...... فلو كانا فقيرين لا يلزمهما الأداء بعد البلوغ والإفاقة لعدم الوجوب عليها."(شامية:۲/۳٦)

دادا پر پوتوں کا صدقۃ الفطر دینا لازم نہیں:

دادا پر پوتے کا صدقۃ الفطر دینا لازم نہیں خواہ اس کا والد زندہ ہو لیکن فقیر ہو، یا فوت ہوگیا ہو، ہاں اگر دے دے تو بہتر ہے۔

فی الشامية:"قلت: لكن فی الخانية: ليس علی الجد أن يؤدی الصدقة عن أولا د ابنه المعسر إذا كان الأب حيا باتفاق الروايات، وكذا لو كان الأب متيافی ظاهرا الرواية."(۲/۳۶۲)

وأما الأفضلية فلوجود قول صاحب الدر:"والجد كالأب عند فقده أو فقره كما اختاره فی الاختيار."(۲/۳۶۲)

صدقۂ فطر کی مقدار و مصارف

صدقۂ فطر کی مقدار:

اگر صدقۂ فطر میں گندم، جو، کھجور اور کشمش چار اجناس میں سے کوئی جنس اداء کرنا چاہیں تو وزن کا لحاظ ضروری ہے، یعنی گندم سے اداء کریں تو نصف صاع اور جو، کھجور، کشمش سے اداء کریں تو ایک صاع ہے، گندم اور جو کے آٹے یا ستو کا بھی وہی حکم ہے جو گندم اور جو کا ہے، بقیہ اجناس (مکئی، باجرہ، چاول وغیرہ سے اگر فطرانہ اداء کرنا چاہیں تو وزن کا اعتبار نہیں بلکہ قیمت کا لحاظ ضروری ہے، یعنی ان کی قیمت نصف صاع گندم یا ایک صاع جو یا کھجور یا کشمش کی قیمت کے برابر ہو، وزن خواہ اس سے زیادہ ہو یا کم۔ لہٰذا کسی نے کم قیمت کھجوروں کے ایک صاع کی جگہ اس کی قیمت کے مساوی نصف صاع عمدہ کھجور اداء کی تو جائز نہیں۔ اسی طرح اگر کسی نے مکئی، باجرہ یا چاول کا ایک صاع اداء کیا مگر اس کی قیمت نصف صاع گندم یا ایک صاع کھجور وغیرہ کی قیمت سے کم تھی تو جائز نہیں۔

"نصف صاع من بر أو صاع من تمر أو شعير ومالم ينص عليه كذرة وخبز يعتبر فيه القيمة."

(۲/۳٦۵)

"قال فی البدائع: ولا يجوز أداء المنصوص عليه بعضه عن بعض باعتبار القيمة سواء كان الذی أدی عنه من جنسه او من خلاف جنسه بعد أن كان من المنصوص عليه."(شامية:۲/۳٦٤)



نصف صاع کی مقدار:

بعض علماء کے قول کے مطابق نصف صاع پونے دو کلو کا اور صاع ساڑھے تین کلو کا ہوتا ہے، جبکہ بعض علماء کی تحقیق کے مطابق نصف صاع سوا دو کلو اور صاع ساڑھے چار کلو کا ہوتا ہے۔ مفتی اعظم حضرت مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحقیق بھی یہی ہے اور اس میں احتیاط بھی ہے، کیونکہ اس تحقیق پر عمل کرنے میں صدقۂ فطر کی ادائیگی یقینی ہے، اور عبادات میں احتیاط پر ہی عمل کرنا چاہئے۔

"ودفع القيمة أفضل من دفع العين علی المذهب المفتی به." وفی الحاشية: "العلة فی أفضلية القيمة كونها أعون علی دفع حاجة الفقير لاحتمال أنه يحتاج إلی غير الحنطة."

(شامية مع الدر:۲/۳٦٦)

فی الدر: نصف صاع من بر أو دقيقه." فی الحاشية:" الأولیٰ أن يراعی فيهما القدر والقيمة احتياطا...... فوجب الاحتياط بان يعطی نصف صاع دقيق بر أو صاع دقيق شعير يسا ويان نصف صاع

زکوۃ اسلام کا پل ہے

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا"زکوۃ اسلام کا پل ہے یا بلند عمارت ہے(کہ اگر زکوۃ نہ دے تو اسلام پر چل نہیں سکتا، یا اسلام کے نیچے کے درجے میں رہا)۔"(طبرانی اوسط وکبیر)

بر وصاع شعير لا أقل من نصف يساوي نصف صاع بر أو أقل عن صاع يساوي صاع شعير ولا نصف لا يساوي نصف صاع بر أو صاع لا يساوي صاع شعير. فتح." (شامية: ۲/ ۳٦٤)

جنس یا قیمت:

فطرانہ میں چاہیں یہی اشیاء ادا کریں، چاہیں بصورت نقد ان کی قیمت ادا کریں، ہر طرح جائز ہے، بلکہ نقد کی صورت میں ادا کرنا اس لحاظ سے بہتر ہے کہ اس سے فقیر اپنی ہر ضرورت پوری کرسکتا ہے۔ (فتاویٰ عالمگیریہ: ۱/ ۱۹۱)

بازار میں راشن کے آٹے کا بھاؤ کم اور گیہوں کا بھاؤ زیادہ ہوتا ہے۔ ایسے میں صدقۃ الفطر کے لئے گیہوں کی قیمت ادا کریں، آٹے کی قیمت گیہوں سے کم ہو تو آٹا یا اس کی قیمت دینے سے صدقۃ الفطر ادا نہ ہوگا۔

(احسن الفتاویٰ: ٤/ ۳۸٤)

صدقۂ فطر کا مصرف کون؟

صدقۃ الفطر کا مصرف ہر وہ شخص ہے جو مصرف زکوٰۃ ہے۔ (ردالمحتار: ۲/ ۳٦۹)

یعنی جس کی ملک میں سونا، چاندی، مال تجارت، نقدی اور زائد از ضرورت اشیاء میں سے کوئی چیز نہ ہو یا ہو لیکن بقدر نصاب (۵۲ء۵ تولہ چاندی کی قیمت) سے کم ہو۔

"وصدقة الفطر كالزكاة في المصارف." (شامية: ۲/ ۳٦۹)

امام کو زکوٰۃ وصدقۂ فطر دینا

سوال: ہمارے ہاں امام مسجد حافظ وقاری ہیں، رمضان کے اختتام پر مقتدی انہیں زکوٰۃ و فطرہ دیتے ہیں، کیا زکوٰۃ وصدقۂ فطر امام کو دینا اور امام کیلئے لینا جائز ہے؟ (فضل حق۔ کوہستان)

جواب: امام کو زکوٰۃ وصدقۂ فطر دینا دو شرطوں سے جائز ہے:

۱۔ امام مستحق زکوٰۃ ہو۔

۲۔ لوگ یہ رقم اسے امامت یا قرآن سنانے کی اُجرت کے طور پر نہیں بلکہ اداءِ زکوٰۃ و صدقۂ فطر کے طور پر دیتے ہوں۔

اگر امام مستحق زکوٰۃ نہیں، یا یہ رقم اسے اُجرت کے طور پر دی جاتی ہے تو امام کے لئے لینا جائز نہیں، لوگوں کی زکوٰۃ وصدقۂ فطر بھی ادا نہیں ہوگا۔

في الشامية: "لو دفع إلى من قضى عليه بنفقته من أنه لا يجزيه عن الزكاة إن احتسبه من النفقة وإن احتسبه من الزكاة يجزيه." (۲/ ۳۵٦)

صدقۂ فطر اور جہادی تنظیمیں:

سوال: صدقۂ فطر کہاں خرچ کیا جائے؟ کیا صدقۂ فطر جہادی تنظیموں اور مدارس کو دیا جاسکتا ہے؟ (جاوید۔ کراچی)

جواب: صدقۂ فطر کا مصرف وہی ہے جو زکوٰۃ کا مصرف ہے، یعنی مساکین، لہٰذا جو مدارس اور جہادی تنظیمیں مستند علماء کی زیر نگرانی کام کررہی ہیں اور زکوٰۃ وصدقۂ فطر کو صحیح مصرف میں خرچ کرنے کا اہتمام کرتی ہیں، انہیں زکوٰۃ وصدقۂ فطر دیا جاسکتا ہے، بلکہ مدارس کے طلبہ اور مجاہدین کو دینے میں دین کی حفاظت واشاعت کا اجر بھی ملے گا۔

"التصدق على الفقير العالم أفضل من التصدق على الجاهل، كذا في الزاهدي." (هندية: ۱/ ۱۲۸۷)

صدقۃ الفطر ایک مرتبہ واجب ہونے کے بعد ساقط نہیں ہوتا:

عید کے دن صبح صادق نکلتے وقت صاحب نصاب ہو تو اگرچہ بعد میں یہ فقیر ہو جائے یا وہ مال ونصاب ہلاک ہو جائے جس کی بنیاد پر اس پر صدقۃ الفطر لازم تھا، یہ ساقط نہیں ہوگا، بلکہ اس کے ذمہ باقی ہے، جب بھی قدرت حاصل ہو دینا لازم ہے۔

في الدر: "فلا تسقط الفطرة وكذا الحج بهلاك المال بعد الوجوب." (۲/ ۳٦۱)

سونے چاندی کے سوا دوسرے زیور سے صدقۃ الفطر کا حکم:

جب عورت کی ملکیت میں سونے چاندی کے زیور یا جہیز کا وہ سامان جو گھر کی بنیادی ضرورت نہیں، محض زیب وزینت کے لئے ہوتا ہے بقدر نصاب ہو تو اس پر صدقۃ الفطر واجب ہے۔

البتہ سونے، چاندی کے سوا وہ زیور جو زینت کے لئے استعمال ہوتے ہوں مثلاً ہیرے، جواہرات وغیرہ تو اس میں دو قول ہیں، احتیاط اسی میں ہے کہ اگر ان کی وجہ سے نصاب مکمل ہو صدقۃ الفطر ادا کیا جائے۔

"سئل الحسن بن علي عمن لها جواهر ولآلي تلبسها في الأعياد وتتزين بها للزوج وليست للتجارة هل عليها صدقة الفطر؟ قال نعم إذا بلغت نصابا وسئل عنها عمر الحافظ فقال لا يجب عليها شئ." (شاميه: ۲/ ۳٤۸)

صدقۃ الفطر کس کو دینا افضل ہے؟

جہاں صدقۃ الفطر دینے والا موجود ہو اس جگہ کے فقراء کو دینا افضل ہے، اگرچہ جس کی طرف سے دے رہا ہو مثلاً نابالغ اولاد وغیرہ وہ دوسری جگہ ہوں۔

في الشامية: "قلت: لكن في التتار خانية: يؤدي عنهم حيث هو، وعليه الفتوىٰ وهو قول محمد، ومثله قول أبي حنيفة، وهو الصحيح." (۲/ ۳۵٦)

